کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:18 Issue:5 May 2025

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

درسِ قرآن	مکمل کامیابی کے سات اوصاف	مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ	۵
درسِ حدیث	موجودہ حالات کا حل	مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۸
ابتدائیہ	اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے	مرتب	۱۰
گوشۂ خواتین	اسلام کی باکمال خواتین	مولانا مفتی محمد رفیع حنیف قاسمی	۱۴
اصلاحی مضامین	نئے تعلیمی سال پر طلبہ سے کچھ باتیں	مولانا محمد راشد ڈسکوی	۱۷
"	عقیدۂ توحید قرآن مجید اور گیتا کے تناظر میں	مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری	۲۳
"	عزت تو اللہ کے احکام پر عمل کرنے ہی میں ہے	مولانا مفتی محمد عبد الحمید قاسمی کریم نگری	۲۷
افاداتِ اکابر	کامیاب تدریس کے رہنما اصول	حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی رحمہ اللہ	۳۲
"	اشرف المجالس: حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ	پیشکش: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۳۴
"	ارشاد السالکین: حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ	ترتیب: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی	۳۷
نقوشِ رفتگاں	ویراں ہے مئے کدہ، خم و ساغر اداس ہیں	مولانا محمد مجیب الرحمٰن تمیم قاسمی	۳۹
فکر و نظر	فکرِ غامدی بہ مقابلہ فکرِ اسلامی	مولانا محمد انصار اللہ قاسمی	۴۲
فقہ و فتاویٰ	آپ کے شرعی مسائل	مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی	۴۹

اشرف الجرائد کی توسیع و اشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



مکمل کامیابی کے سات اوصاف

از: مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ﴿۲﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ
مُعْرِضُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰۤى
اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْعٰدُوْنَ ﴿۷﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ
یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ط هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ (المؤمنون)

ترجمہ: ان ایمان والوں نے یقیناً فلاح پالی ہے، جو اپنی نماز میں دل سے جھکنے والے ہیں، اور جو لغو چیزوں سے منہ موڑے ہوئے ہیں، اور جو زکوٰۃ پر عمل کرنے والے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہوں کی (اور سب سے) حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور ان کنیزوں کے جو ان کی ملکیت میں آچکی ہوں، کیوں کہ ایسے لوگ قابلِ ملامت نہیں ہیں ہاں جو اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہیں تو ایسے لوگ حد سے گذرے ہوئے ہیں اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھنے والے ہیں، اور جو اپنی نمازوں کی پوری نگرانی رکھتے ہیں، یہ ہیں وہ وارث جنھیں جنت الفردوس میں میراث ملے گی یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

توضیح: لفظ فلاح قران وسنت میں بکثرت استعمال ہوا ہے، اذان واقامت میں پانچ وقت ہر مسلمان کو فلاح کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔ فلاح کے معنی یہ ہیں کہ ہر مراد حاصل ہو اور ہر تکلیف دور ہو، یہ لفظ جتنا مختصر ہے اتنا ہی جامع ایسا ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کسی چیز کی خواہش کر ہی نہیں سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ مکمل

فلاح کہ ''ایک مراد بھی ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو اور ایک بھی تکلیف ایسی نہ رہے جو دور نہ ہو'' یہ دنیا میں کسی بڑے سے بڑے انسان کے بس میں نہیں، چاہے دنیا کا سب سے بڑا بادشاہِ ہفت اقلیم ہو یا سب سے بڑا رسول اور پیغمبر ہو اس دنیا میں کسی کے لیے ممکن نہیں کہ کوئی چیز خلاف طبع پیش نہ آئے اور جو خواہش جس وقت دل میں پیدا ہو بلا تاخیر پوری ہو جائے اور اگر اور بھی کچھ نہیں تو ہر نعمت کے لیے زوال اور فنا کا کھٹکا ہر تکلیف کے واقع ہو جانے کا خطرہ اس سے کون خالی ہوسکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ فلاح کامل تو ایسی چیز ہے جو اس ملک کی دنیا میں دستیاب ہی نہیں ہوسکتی کیوں کہ دنیا تو دار التکلیف و المحنۃ بھی ہے اور اس کی کسی چیز کو بقا و قرار بھی نہیں ہے یہ متاعِ گراں مایہ ایک دوسرے عالم میں ملتی ہے جس کا نام جنت ہے وہی ایسا ملک ہے جس میں انسان کی ہر مراد ہر وقت بلا انتظار حاصل ہوگی سب سے پہلا وصف تو مومن ہونا ہے مگر وہ ایک بنیادی چیز اور اصول ہے اس کو الگ کر کے سات اوصاف جو یہاں بیان کیے گئے ہیں یہ ہیں:

مومن کامل کا پہلا وصف نماز میں خشوع ہے: خشوع کے لغوی معنیٰ سکون کے ہیں اصطلاح شرع میں خشوع یہ ہے کہ قلب میں بھی سکون ہو یعنی غیر اللہ کے خیال کو قلب میں بالقصد حاضر نہ کرے اور اعضاءِ بدن میں بھی سکون ہو، کہ عبث اور فضول حرکتیں نہ کرے، خصوصاً وہ حرکتیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں منع فرمایا ہے اور فقہاء نے ان کو مکروہاتِ نماز کے عنوان سے جمع کر دیا ہے۔ تفسیر مظہری میں خشوع کی یہی تعریف حضرت عمرو بن دینار سے نقل کی ہے۔

مومن کامل کا دوسرا وصف لغو سے پرہیز کرنا ہے: لغو کے معنیٰ فضول کلام یا کام جس میں کوئی دینی فائدہ نہ ہو، لغو کا اعلیٰ درجہ معصیت اور گناہ ہے جس میں فائدہ دینی نہ ہونے کے ساتھ دینی ضرر و نقصان ہے اس سے پرہیز واجب ہے اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ نہ مفید ہو نہ مضر اس کا ترک کم از کم اولیٰ اور موجب مدح ہے، حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: من حسن اسلام المرأ ترکہ ما لا یعنیہ یعنی انسان کا اسلام جب اچھا ہوسکتا ہے جب کہ وہ بے فائدہ چیزوں کو چھوڑ دے اسی لیے آیت میں اس کو مومنِ کامل کی خاص صفت قرار دیا ہے۔

مومن کامل کا تیسرا وصف زکوٰۃ ہے: لفظ زکوٰۃ کے معنیٰ لغت میں پاک کرنے کے ہیں، اصطلاح میں شرح مال کا ایک خاص حصہ کچھ شرائط کے ساتھ صدقہ کرنے کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے، قرآن کریم میں عام طور پر یہ لفظ اسی اصطلاحی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، اس آیت میں یہ معنیٰ بھی مراد ہوسکتے ہیں۔ اور اگر مراد زکوٰۃ سے تزکیۂ نفس ہے یعنی اپنے نفس کو رذائل سے پاک کرنا تو وہ بھی فرض ہی ہے کیوں کہ شرک، ریا، تکبر، حسد، بغض، حرص، بخل جن سے نفس کو پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے یہ سب چیزیں حرام اور گناہِ کبیرہ ہیں نفس کو ان سے پاک کرنا فرض ہے۔

مومن کامل کا چوتھا وصف حرام سے شرمگاہوں کی حفاظت کرنا ہے: یعنی وہ لوگ جو اپنی بیویوں اور شرعی باندیوں کے علاوہ سب سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں ان دونوں کے ساتھ شرعی ضابطے کے مطابق شہوت نفس پوری کرنے کے علاوہ اور کسی سے کسی ناجائز طریقے پر شہوت رانی میں مبتلا نہیں ہوتے اس آیت کے ختم پر ارشاد فرمایا: فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ یعنی شرعی قاعدے کے مطابق اپنی بیوی یا باندی سے شہوت نفس کو تسکین دینے والوں پر کوئی ملامت نہیں۔

مومن کامل کا پانچواں وصف امانت کا حق ادا کرنا ہے: لفظ امانت کے لغوی معنی ہر اس چیز کو شامل ہیں جس کی ذمہ داری کسی شخص نے اٹھائی ہے اور اس پر اعتماد و بھروسہ کیا گیا ہے۔ خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے۔ حقوق اللہ سے متعلق امانات میں تمام شرعی فرائض و واجبات کا ادا کرنا تمام محرمات و مکروہات سے پرہیز کرنا ہے اور حقوق العباد سے متعلق امانات میں مالی امانت کا دخل ہونا تو مشہور و معروف ہے کہ کسی شخص نے کسی کے پاس اپنا کوئی مال امانت کے طور پر رکھ دیا یہ اس کی امانت ہے اس کی حفاظت اس کے واپس کرنے تک اس کی ذمہ داری ہے، اس کے علاوہ کسی نے کوئی راز کی بات کسی سے کہی وہ بھی اس کی امانت ہے بغیر اس کی اجازت کے کسی کا راز ظاہر کرنا امانت میں خیانت ہے، مزدور ملازم کو جو کام سپرد کیا گیا اس کے لیے جتنا وقت خرچ کرنا باہم طے ہو گیا اس میں اس کام کو پورا کرنے کا حق ادا کرنا اور مزدوری ملازمت کے لیے جتنا وقت مقرر ہے اس کو اسی کام میں لگانا بھی امانت ہے کام کی چوری یا وقت کی چوری خیانت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ امانت کی حفاظت اور اس کا حق ادا کرنا بڑا جامع لفظ سب مذکورہ تفصیلات اس میں داخل ہیں۔

مومن کامل کا چھٹا وصف عہد پورا کرنا ہے: عھد ایک تو وہ معاہدہ ہے جو دو طرف سے کسی معاملے کے سلسلے میں لازم قرار دیا جائے اس کا پورا کرنا فرض اور اس کے خلاف کرنا غدر اور دھوکہ ہے جو حرام ہے۔ دوسرا وہ جس کو وعدہ کہتے ہیں یعنی ایک طرفہ صورت سے کوئی شخص کسی شخص سے کسی چیز کے دینے کا یا کسی کام کے کرنے کا وعدہ کرلے اس کا پورا کرنا بھی شرعاً لازم و واجب ہو جاتا ہے۔

مومن کامل کا ساتواں وصف نماز پر محافظت ہے: نماز کی محافظت سے مراد اس کی پابندی کرنا اور ہر ایک نماز کو اس کے وقتِ مستحب میں ادا کرنا ہے۔ اوصاف مذکورہ کے حامل لوگوں کو اس آیت میں جنت الفردوس کا وارث فرمایا ہے لفظ وارث میں اشارہ اس طرف ہے کہ جس طرح مورث کا مال اس کے وارث کو پہنچنا قطعی اور لازمی ہے اسی طرح ان اوصاف والوں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے۔

(ملخص و مستفاد از معارف القرآن: ۶/ ۱۳۴ تا ۱۳۸)



درسِ حدیث

موجودہ حالات کا حل

از: مولانا مفتی محمد احمد علی قاسمی*

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ یَقُوْلُ: اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا اَنَا مَالِکُ الْمُلُوْکِ وَمَلِکُ الْمُلُوْکِ قُلُوْبُ الْمُلُوْکِ فِی یَدِیْ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا اَطَاعُوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَ مُلُوْکِھِمْ عَلَیْھِمْ بِالرَّحْمَۃِ وَالرَّأْفَۃِ وَاِنَّ الْعِبَادَ اِذَا عَصَوْنِیْ حَوَّلْتُ قُلُوْبَھُمْ بِالسَّخَطَۃِ وَالنَّقْمَۃِ فَسَامُوْھُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ فَلَا تَشْغُلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالدُّعَاءِ عَلَی الْمُلُوْکِ وَلٰکِنْ اشْغُلُوْا اَنْفُسَکُمْ بِالذِّکْرِ وَالتَّضَرُّعِ کَیْ اَکْفِیْکُمْ مُلُوْکَکُمْ (مشکوٰۃ المصابیح:)

ترجمہ: حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (حدیث قدسی میں) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے قبضۂ قدرت میں ہیں، سنو! جب میرے بندے میری اطاعت و فرماں برداری میں کرتے ہیں تو میں بادشاہوں کے دلوں کو ان کے حق میں رحمت وشفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں، اور جب میرے بندے میری نافرمانی پر اتر آتے ہیں تو ان کے بادشاہوں کو ان کے حق میں سختی اور غضبناکی کی طرف پھیر دیتا ہوں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے بادشاہ ان کو سخت سزاؤں اور آزمائشوں میں مبتلا کرتے ہیں، اگر ایسی صورتحال پیش آجائے تو تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لیے بددعا کرنے میں مشغول نہ کرو؛ بلکہ تم اپنے آپ کو میرے ذکر اور میرے حضور گریہ وزاری میں مشغول رکھو؛ تاکہ میں تمہارے بادشاہوں کے شرور و فتن سے تمہارے لیے کافی ہو جاؤں۔

تشریح:۔ انسانوں کے لئے دنیا کے اس عارضی قیام میں چین وسکون اور آرام راحت کے من جملہ

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

اسبابِ ظاہری میں ایک سبب ملک وقوم کے عادل سربراہان اور منصف حکمران ہیں، کسی بھی مملکت وسلطنت پر انسانیت نواز اورقوم پرور حاکم منصبِ امارت وحکومت پر فائز ہوتا ہےتو رعایا اپنے اپنے مقام پرسکون راحت سے زندگی بسر کرتی ہے، اس کے برعکس اگرکسی ملک کے تختۂ اقتدار پر کوئی ظالم وجاہل اور بےضمیر و بےحیثیت شخص قابض ہوتا ہےتواس کے ماتحت رہنے والے لوگ مختلف نوعیتوں ہمیشہ دردوفکرغم وحزن بسااوقات مصائب وآلام کوجھیلتے ہوئے دن رات کاٹتے رہتے ہیں، دنیا کی تاریخ اور قوموں کے احوال میں یہ دونوں منظرنامے مختلف ایام واوقات اور مقام ومکان کے اعتبار سےہمیں نظر آتے رہتے ہیں، تاریخِ عالم اس پر گواہ ہے؛ لیکن تصویر کا دوسرا رخ (جس کی حقیقت کی طرف قرآن وسنت کے بےشمارنصوص اشارہ کرتے ہیں وہ) یہ ہے کہ دنیا میں حاکموں اورحکمرانوں کے رویے میں اس طرح کی تبدیلی دراصل رعایا کے اعمال وافعال کی تبدیلی کی وجہ سے ہوتی ہے؛ اگرلوگ (خاص طور پر مسلمان) اللہ رسول کی اطاعت وفرمانبرداری اوردین وشریعت کی پابندی کواپنا وطیرہ اورشعار بنا کر رکھیں گےتو ان کے لیے حکمران عادل ومنصف مزاج اورنیک افراد ہوں گے، اوراگر لوگ خدافراموشی کی زندگی بسر کریں، دین وشریعت کے اصولوں کوطوقِ غلامی تصور کر کے چھوڑ بیٹھیں، اوردنیاوی عیش وراحت کوسب کچھ تصور کر کے زندگی گزاریں گےتو پھرظلم وعدوان آفات وبلیات اورمصائب وحوادث حکمرانوں کی شکل میں پیش آئیں گے، اوراس کوسہنے کےعلاوہ کوئی چارۂ کارنہ ہوگا۔

حدیثِ قدسی میں رسولِ کریم ﷺ نے بھی اسی حقیقت کونہایت واضح اور روشن انداز میں ظاہر فرمایا ہے: کہ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے: کہ بادشاہوں کے دل میرے قبضے میں ہیں، بل کہ میں خود سارے بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بندے میری اطاعت اورفرمانبرداری کریں گےتو میں ان کے بادشاہوں کوان کےحق میں رحیم و شفیق بناؤں گا، اوراگر بندے میری نافرمانی اورسرکشی پراتر آئیں گےتو میں ان کے بادشاہوں اورحکمرانوں کو ان کےحق میں کرب ناک اورغضبناک بنادوں گا؛ لہٰذا اگرکبھی ایسی بات پیش آجائےتو مسلمانوں کواپنے حاکموں کےحق میں بددعا کرنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کےحضور میں گریہ وزاری، توبہ واستغفاراوررجوع الی اللہ کواپنانا چاہیے، اوراللہ پاک کی دین کواوررسولِ رحمت ﷺ کی شریعت کواپنی زندگی کی سب سے بڑی نعمت تصور کرتے رہنا چاہیے، آج پوری دنیا خاص طور پر ہمارے ملک میں جوحالات ہیں، اورحکمرانوں کےجس ظلم و ستم کےکرب میں مسلمان اپنے صبح وشام کررہے ہیں؛ انہیں اس حدیث پاک کی روشنی میں اپنے اعمال وافکار کا جائزہ لینا چاہیےتوسب کچھ سمجھ میں آجائے گا؛ کہ اس صورتِ حال کی وجوہات کیاہیں؟ اورعلاج کیاہے؟

اللہ پاک صحیح سمجھ اورعمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

ابتدائیہ

اپنے حصّے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

از: مرتب

اسلام سراسر دینِ رحمت ہے، اس نے نہ صرف اپنے ماننے والوں کو؛ بل کہ پوری انسانیت کو حقوقِ انسانیت کی وہ تعلیم دی ہے جس پر عمل کر کے ظلم وجور کی آگ میں جھلستے معاشرہ کو گُل وگل زار بنایا جا سکتا ہے، بہ شرطے کہ انسانیت اور حاملینِ دینِ متین اس کی ہدایات کو حرزِ جاں بنا کر اپنی زندگی میں رو بہ عمل لاتے رہیں۔ جس طرح بندوں پر حق تعالیٰ شانہٗ کے فرائضِ عبدیت کی ادائیگی لازم ہے اسی طرح بل کہ اس سے کہیں اہم ایک دوسرے کے حقوق کی پابہ جائی ضروری ہے، کتاب وسنت میں جگہ جگہ معاشرتی تعلیمات کو بڑی اہمیت سے اُجاگر کیا گیا، اور سخت تاکید کی گئی ہے کہ کسی کی عزت وآبرو، جان ومال سے کھلواڑ نہ کیا جائے، چناں چہ سماج اور معاشرہ جن رشتوں اور حیثیتوں سے تشکیل پاتا ہے اس کے تمام ہی افراد کو اسلام ایک دوسرے کا پاس ولحاظ رکھنے اور قولی وعملی، ذہنی وفکری، اور جسمانی وروحانی ہر طرح کی اذیت رسانی سے باز رہنے کی تاکیدی ہدایات دیتا ہے بل کہ ان حقوق واجبہ کی ادائیگی کو سہل بنانے کے لئے صفاتِ محمودہ سے خود کو آراستہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے اور رذائل وذمائم نیز اس کے نقصانات سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔ قربان جایئے! ربِ کریم، نبی کریم اور دینِ اسلام کے صاف ستھرے، لائقِ تحسین احکام پر کہ وہ صالح معاشرہ بنانے کا صرف حکم جاری نہیں کرتے؛ بلکہ ہر شعبۂ حیات میں انسان کی انگلی پکڑ کر چلنا بھی سکھاتے ہیں۔

لیکن یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ خود مسلمانوں نے اپنے ربِ کریم، اور نبی رحیم کی حسین تعلیمات کو سرد خانے کی نذر کر دیا، اُسے دل وجان سے قبول کرنا تو دور کی بات سننے کو بھی تیار نہیں ہیں، با دلِ نخواستہ سُن بھی لیں تو عمل کرنے کو تیار نہیں، مسلم سماج کا سرسری جائزہ لیں تو شاید یہ کہنا بے جا نہ ہو کہ ہر طرف بد خلقی، بدچلنی اور

انا رکی کا تعفن پھیلا ہوا ہے اور بد عملی کی ایسی مسموم ہوا ہے کہ ہر ایک دوسرے سے شا کی ہے، ہر ایک دوسرے کا مظلوم ہے، ہر دل دوسرے سے مغموم ومحزون ہے، ہر نفس دوسرے سے مکروب ومجروح ہے، اورانسانی واسلامی صفات جو کتابوں، رسالوں، مقالوں اور خطباء کی تقریروں میں پڑھنے اور سننے کو ملتی ہیں، نگاہیں اس کے عملی نمونے تلاش کررہی ہیں؛ مگر سوال یہ ہے کہ ان کو عملی جامہ پہنائے کون؟ جو شا کی ہے، مظلوم ومقہور ہے، غمگین وآزردہ خاطر ہے، سکون وراحت اور عزتِ نفس کا طالب ہے، وہ بھی اِسی مسلم سماج کا ایک فرد ہے، معاشرتی زندگی کے ہر دو فرد پہل کرسکتے ہیں، خواہ شوہر ہو یا بیوی، ماں باپ ہوں یا اولاد، بھائی ہو یا بہن، خاندان کے بڑے ہوں یا چھوٹے، پڑوسی ہو یا دوست، خریدار ہو یا بیوپاری، ملازم ہو یا اس کا ذمہ دار، مکان دار ہو یا کرایہ دار، منیجر ہو یا عام کارکن غرض کوئی بھی ادائیگی حقوق میں پیش رفت کرسکتا ہے، خود کو اسلامی تعلیمات کا پیکر اور اُسوۂ نبوی کا خوگر بنا سکتا ہے، مگر ہر ایک اس کا منتظر ہے کہ کوئی دوسرا پہل کرے۔ یہ ایک ایسا روگ اور مرض ہے جس کی دوا ہر مریض کے پاس ہے مگر وہ خود استعمال کرنا نہیں چاہتا دوسرے ہی کو دینا چاہتا ہے۔

جب کہ حق تلفی سے باز رہنے کی تاکید کرتے ہوئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اور اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتہ داریوں (کی حق تلفی) سے ڈرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تمہاری نگرانی کررہا ہے۔

ایک اور موقعہ پر اہل حقوق کی تعیین اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ۝٣٦

(النساء)

اللہ کی عبادت کرو، اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نیز رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، قریب والے پڑوسی، دور والے پڑوسی، ساتھ بیٹھے (یا ساتھ کھڑے ہوئے) شخص اور راہ گیر کے ساتھ اور اپنے غلاموں باندیوں کے ساتھ بھی (اچھا برتاؤ رکھو،) بے شک اللہ کسی اترانے والے شیخی باز کو پسند نہیں کرتا۔

عام مسلمانوں کے حقوق بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں۔(۱) سلام کرے تو اس کا جواب دینا۔(۲) بیمار ہوجائے تو عیادت کرنا۔(۳) انتقال کرجائے تو جنازہ میں شریک ہونا۔(۴) دعوت دے تو اُسے قبول کرنا۔(۵) چھینکنے والے کا جواب دینا (جب وہ الحمدللہ کہے)۔(بخاری:1240)

حقوقِ قرابت کے فوائد بتاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اپنے انساب کا علم حاصل کرو تاکہ تم ان سے صلہ رحمی کرسکو، اس لئے کہ صلہ رحمی رشتہ داروں سے محبت کا وسیلہ، مال میں اضافے کا سبب، اور طویل عمر پانے کا ذریعہ ہے۔(ترمذی:1979)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جو اپنے رزق میں وسعت اور اپنی عمر میں برکت کا خواہش مند ہو اُسے صلہ رحمی کرنا چاہیے۔(بخاری:2067)

مذکورہ آیات وروایات صالح معاشرہ کی تعمیر میں انسانی تعلق، اسلامی اخوت، قرابت داری ومحلہ داری اور پڑوس کی بنیاد پر عائد ہونے والے حقوق وآداب کی اہمیت وافادیت کو واضح کررہی ہیں؛ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ اس سلسلے میں کوتاہی پر آخرت میں سخت ترین مرحلہ کا سامنا نہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا حقیقی مفلس کی نشان دہی کرنے والا یہ ارشاد ہر نیکوکار کو چونکا دینے والا ہے۔

''میری امت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے گا، لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال ہڑپ لیا ہوگا، کسی کی جان لی ہوگی، کسی کو مارا ہوگا، اُسے روک دیا جائے گا اور بدلے میں اس کی نیکیاں حق داروں کو دے دی جائیں گی اور اگر بدلہ پورا ہونے سے پہلے نیکیاں ختم ہوگئیں تو ان کی برائیاں اس کے (کھاتے میں) ڈال دی جائیں گی اور اُسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔(ترمذی:2418)

نہایت عبرت کا مقام ہے کہ ہر مرد وعورت جو کسی پارسائی کے زعم میں مبتلا ہے اُسے غور کرلینا چاہیے کہ کہیں حقوق العباد میں کوتاہی کے آنکڑے اُسے پکڑ کر جہنم میں نہ پھینک دیں۔

بہ ہر حال ہر مسلمان مرد وعورت کو اپنا جائزہ لینا ہے کہ اس نے آدابِ زندگی سیکھے بھی یا نہیں؟ یا اس کی کتابِ زندگی میں ''حسنِ معاشرت'' کا سبق ہی نہیں ہے، جیسا کہ آج کل یہ بات عام کی جارہی ہے کہ ''آدابِ اسلامی، تہذیبِ وشائستگی وغیرہ کچھ نہیں، بس فرائض ادا کرلو، زندگی کے باقی شعبوں میں دین داری کا کوئی تصور نہیں، جس طرح چاہو جیو، جس طرح چاہو رہو، کھاؤ پیو، موج مستی کرو اسلام میں کوئی پابندی نہیں! یہ جرأتِ بے جا انہی کو ہوسکتی ہے جو اسلاموفوبیا سے متأثر ہیں یا دین بیزار ہیں، یا یہ خطا اور چوک اُن سے ہوسکتی ہے جن کو

دینِ اسلام کا صحیح علم نہیں ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دینِ اسلام صرف فرائض وواجبات اور چند معروف عبادات کا نام نہیں ہے بل کہ وہ مکمل دستورِ حیات، کامل تہذیب، اخلاقِ عالیہ کا منبع ومرکز ہے، پاکیزہ فکر وخیال کا علم بردار، خوش گوار زندگی کا حسین گلدستہ ہے۔

آدابِ معاشرت کو جاننے اور سیکھنے کے لئے قرآن کریم کی سورۂ نساء، سورۂ یوسف، سورۂ نور، سورۂ فرقان کا آخری رکوع، سورۂ لقمان میں مذکور حضرت لقمان کے نصائح، سورۃ الحجرات کی تفاسیر کا مطالعہ نہایت مفید ہے علاوہ ازیں اسلامی آداب واحکام اور حسنِ معاشرت پر کتاب وسنت کی روشنی میں علماء امت نے بیسیوں کتابیں لکھیں ہیں ان کا مطالعہ بھی زندگی کو صحیح رُخ دے سکتا ہے، معاشرہ کے اذیت ناک ماحول میں خوش آئند تبدیلی لاسکتا ہے، گھر جو بداخلاقیوں سے جہنم بن چکا ہے دوبارہ اُسے نسیمِ جنت نصیب ہوسکتی ہے۔ جیسے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ نے اصلاحِ معاشرہ پر کئی رسالے مرتب فرمائے ہیں مثلاً تعلیم الدین، آداب المعاشرت، حقوق الاسلام، چالیس نصیحتیں، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحؒ کی ہمشیرہ کی ''حسنِ معاشرت''، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ العالی کی ''خاندانی حقوق وفرائض''، حضرت مولانا مفتی سلمان منصورپوری مدظلہ العالی کی ''اللہ سے شرم کیجئے''، ''رحمٰن کے خاص بندے''، مولانا مفتی ابوبکر صاحب پٹنی زید مجدہٗ کی ''سنن وآداب''، مولانا مفتی ابوبکر جابر ومفتی رفیع الدین حنیف قاسمی زید فضلھما کی ''مسنون معاشرت: احکام وآداب کی روشنی میں''۔

کسی نے حکیم لقمانؒ سے پوچھا: **آپ نے ادب کہاں سے سیکھا**؟ تو بڑا اچھا جواب دیا: ''**بے ادبوں سے**'' یعنی جس میں کوئی ایسی بات دیکھتا کہ جس سے تکلیف ہوتی ہے تو میں اس سے باز رہتا۔ کم از کم اس اسوۂ لقمانی کو بھی اپنالیا جائے تو کسی نہ کسی حد تک ایک دوسرے کو راحت وسکون میسر آسکتا ہے۔

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصّے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

گوشۂ خواتین

اسلام کی باکمال خواتین

(حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا خادمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

از: مولانا مفتی رفیع حنیف صاحب قاسمی*

نام ونسب:

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خادمہ تھیں، صفیہ بنت عبد المطلب کی باندی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتنی زیادہ خدمت فرمائی کہ خادمۂ رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لقب سے ملقب ہوگئیں۔

نکاح:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے اپنے آزاد کردہ غلام ابورافع رضی اللہ عنہ سے اُن کا نکاح کردیا تھا، نیز وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صاحبزادے کی دایہ بھی تھیں ''وھی امرأة أبی رافع مولی رسول اللہ ﷺ وأم بنیه''۔ (الاستیعاب فی معرفة الأصحاب، سلمی خادم رسول اللہ: ۴/ ۱۸۶۲، دارالجیل، بیروت)

قبولِ اسلام ومرویات:

حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد انہوں نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہیں۔ ان سے ان کے فرزند عبید اللہ بن علی بن رافع نے روایت نقل کی ہے۔

انہیں میں سے ایک روایت منقول ہے: ''إن رسول اللہ ﷺ أوصی بالهجرة، وقال: إن امرأة عذبت فی هرة ربطتها فلم تطعمها، ولم تترکها تأکل من خشاش الأرض''۔

(الاصابۃ فی معرفۃ الصحاب: ۴/ ۱۸۶۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی تلقین کی، اور فرمایا: ایک عورت کو بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا۔ اس نے بلی کو باندھ رکھا، نہ اسے کھلایا، اور نہ ہی آزاد چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے مکوڑوں سے کچھ کھا سکے۔

اور ایک روایت مروی ہے: ''أن أزواج النبی ﷺ یجعلن رؤوسهن أربعة قرون، فإذا

* استاذ فقہ وادب: ادارہ کہف الایمان ٹرسٹ، بورہ بنڈہ، حیدرآباد

اغتسلن جمعنها علی أوساط رؤوسهن، ویصببن علیها الماء ولا ینفضنها‘‘ (اسد الغابۃ، سلمی خادم رسول اللہ: ۲/۴۳۴) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج (اہل بیت) اپنے سروں کے بالوں کو چار گچھوں (چوٹیوں) میں بنالیا کرتی تھیں، اور جب غسل کرتی تھیں تو ان گچھوں کو اپنے سروں کے درمیان (یعنی درمیانِ سر) جمع کر لیتی تھیں، اوران پر پانی ڈالتی تھیں، لیکن ان (گچھوں) کو کھولتی نہیں تھیں۔

اور ایک روایت مروی ہے: ’’ما کان یکون بر سول اللہ ﷺ قرحۃ أو نکبۃ إلا أمرنی أن اضع علیها الحناء‘‘ (سنن الترمذی، باب ماجاء فی التداء بالحناء، حدیث: ۲۰۵۴)

علی بن عبید اللہ نے اپنی دادی سے روایت کیا، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خادمہ تھیں، وہ کہتی ہیں: "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی زخم یا چوٹ لگتی تو آپ مجھے حکم دیتے کہ میں اس پر مہندی لگاؤں۔"

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت:

یہی وہ سلمی رضی اللہ عنہا ہیں جنہوں نے اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ارجمند حضرت ابراہیم کی ولادت پران کی دائی (قابلہ) کے فرائض انجام دیئے، اسی طرح وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چہیتی صاحبزادی کے بچوں کی بھی دائی رہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غسل کے فرائض انجام دیئے تھے۔

(تہذیب الکمال فی أسماء الرجال)

غزوات میں شرکت

انہیں سلمی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ غزوۂ خیبر کا بھی سفر کیا تھا ’’وشهدت سلمیٰ هذه خیبر مع رسول اللہ ﷺ‘‘۔

(تہذیب الکمال وأسماء الرجال، ام رافع مولاۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۳۵، ۱۹۷، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت)

باکمال خاتون

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا: سلمیٰ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آزاد کردہ خادمہ اور ابورافع کی بیوی تھیں (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور ابورافع کی شکایت کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابورافع سے فرمایا: اے ابورافع! تمہیں اس سے کیا مسئلہ ہے؟" ابورافع رضی اللہ عنہ نے کہا: "اے اللہ کے رسول! یہ مجھے ایذا دیتی ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "تم نے اسے کیوں ایذا دی؟" تو وہ

بولیں: "اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول، میں نے انہیں کسی بات سے ایذا نہیں دی، بلکہ بات یہ ہے کہ جب یہ نماز پڑھ رہے تھے ہوا خارج ہوئی، تو میں نے کہا: اے ابورافع! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ جب کسی سے ہوا خارج ہو تو وہ وضو کرے۔" تو یہ مجھے مارنے لگے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنسنے لگے، ہم سب ہنسنے لگے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابورافع! اس نے تو تمہیں بھلائی کی بات ہی کہی ہے۔ ''یا أبا رافع إنها لم تأمرك إلا بخير'' (اسد الغابۃ:۶/۱۴۸، دار الفکر، بیروت)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغوب کھانا پکا کر کھلاؤ

اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد ایک مرتبہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ دونوں حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا پاس آئے اور کہا کہ آج ہمیں وہ کھانا پکا کر کھلائیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مرغوب تھا، بولیں، تم کو وہ کیا پسند آئے گا، انہوں نے اصرار کیا، تو حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہ نے جَو کا آٹا پیس کر ہانڈی میں چڑھایا، اوپر سے روغن زیتون، زیرہ اور سیاہ مرچیں ڈال دیں، پک گیا تو ان کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرغوب ترین غذا تھی۔

وفات

حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا کا سال وفات اور مزید حالات معلوم نہیں ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۳۸ سے)

کثرتِ وساوس سے بچنے کا آسان حل

سوال (۴۳): بندہ کثرت سے وساوس کا شکار ہے، حل تجویز فرمائیں۔

جواب: جس کی آنکھوں میں بکثرت گندے مناظر ہوں وہ وسوسوں سے کبھی پاک نہیں رہ سکتا، یہ چھوڑ و تو وہ بھی چھوٹ جائیں گے، انشاء اللہ۔ باقی دیگر وساوس تو وہ یا تو ضعفِ اعصاب کا نتیجہ ہوتے ہیں یا نفس وشیطان کی شرارت ہوتے ہیں، پہلی صورت میں علاج واحتیاط کی ضرورت ہے کچھ عرصے میں سب ٹھیک ہو جائے گا، دوسری صورت میں عدمِ التفات ان کا حل ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ حتیٰ کہ وساوس نہ آنے کی فکر بھی مکثرِ وساوس ہے۔

اصلاحی مضامین

نئے تعلیمی سال کے موقع پر طلبہ سے کچھ باتیں

از: مولانا محمد راشد ڈسکوی*

شوال المکرم کے مبارک مہینے سے دینی مدارس کی دو ماہ سے جاری ویرانی اور بے آبادی دور ہو کر دوبارہ رونقیں لوٹ آتی ہیں، علوم دینیہ کے حصول کے جذبات سے سرشار طلبہ کرام میل ہا میل کے سفر کی صعوبتوں کو طے کرتے ہوئے، اپنے مشفق والدین اور اعزہ واقرباء کی جدائی کو برداشت کرتے ہوئے، اپنے وطن میں گزرنے والے شب وروز کی سہولتوں کو ترک کر کے پردیس کی مشکلات کو برداشت کرنے کی نیت سے مدارس کو اپنا وطن بناتے ہیں، اپنے اساتذہ کو اپنے والدین کا قائم مقام تصور کر کے، اپنے طلبہ ساتھیوں کو اپنے بھائیوں کا درجہ دیتے ہوئے سالہا سال کا سفر طے کرتے ہیں۔

خیال ہوا کہ عزیز طلبہ کی دورانیہ تعلیم میں کرنے والے چند اہم اور ضروری کاموں کی طرف راہنمائی کر دی جائے، شاید کہ کسی طالبِ علم کے دل میں کوئی بات اُتر جائے اور اُس کی زندگی سنورنے کا ذریعہ بن جائے، اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لما تحبّ وَ ترْضیٰ

پہلا کام: تصحیحِ نیت

علم کی افادیت کا تعلق نیت کے صحیح ہونے یا صحیح نہ ہونے سے ہے، اگر حصولِ علم سے مقصود خدانخواستہ دنیا، حبِ جاہ ہوئی تو یہ نیت اُس طالبِ علم کو اسی دنیا میں دنیا والوں کے سامنے ذلیل کروائے گی اور آخرت میں تو ایسے شخص کو سب سے پہلے جہنم میں اوندھے منہ پھینک دیا جائے گا، یہ علم اُس کے لیے وبالِ جان بن جائے گا، اعاذنا اللہ منہ۔ یہ بات حدیثِ پاک میں مذکور ہے: "رجلٌ تعَلّمَ العِلمَ وعلّمَهُ وقرَأَ القُرآنَ، فأُتي بِه، فعَرّفَهُ نِعمَه، فعَرَفهَا، قال: فما عَمِلتَ فِيهَا؟ قَال: تَعَلّمْتُ العِلمَ وعَلّمْتُه، وَقرَأتُ فِيكَ القُرآنَ، قَال: كَذَبْتَ وَلٰكِنّكَ تَعَلّمْتَ العِلمَ لِيُقالَ إنّكَ عَالِم، فَقَدْ قِيْلَ، ثُمّ أُمِرَ بِه، فَسُحِبَ عَلٰى وَجهِه حَتّى أُلْقِيَ فِى النّارِ"۔ (صحیح مسلم)

* رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واستاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا: علم کو علماء پر بڑائی جتانے، ناسمجھ عوام سے الجھنے اور مجلسیں جمانے کے لیے حاصل نہ کرو، جو شخص ایسا کرے گا، اس کے لیے آگ ہے آگ۔ ”لا تعلّموا العلمَ لِتُبَاهُوْا به العلماءَ، ولا تمارُوا به السُّفهاءَ، ولا تخيرُوْا به المجالِسَ، فمَن فَعَل ذٰلک، فالنَّارُ فالنَّارُ“ (سنن ابن ماجۃ، باب الانتفاع بالعلم والعمل بہ، رقم الحدیث: ۲۵۴) بلکہ نیت یہ ہونی چاہیے کہ اس علم کے ذریعے پوری دنیا میں دینِ اسلام کو زندہ کروں گا، اس نیت کے کرنے والے کو اسی حالت میں موت بھی آ گئی تو اللہ تعالیٰ اس طالبِ علم کا حشر اس طرح فرمائیں گے کہ اُس کے اور انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے: ”مَنْ جَآءَہُ الموتُ، وهُو يطلُبُ العِلمَ لِيُحيِيَ به الإسلامَ، فبَينَه وبينَ الأنبياءِ في الجنةِ درَجَةٌ واحِدَةٌ“ (جامع بیان العلم وفضلہ، باب جامع فی فضل العلم، رقم الحدیث: ۲۱۹، دار ابن الجوزی)

چناں چہ سب سے پہلا کام اپنی نیت کو ٹٹولنا اور اس کو صحیح کرنا ہے اور یہ کام بار بار کرنا ہوگا، جب بھی اپنی نیت کو بگڑا ہوا پائے اسی وقت اپنی نیت کی تصحیح کی جائے۔ ایک بات سامنے رہے، اس پہلی بات میں جو عرض کیا جا رہا ہے، وہ ہے تصحیح نیت، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اگر حصولِ علم کے وقت نیت ٹھیک نہ ہو تو اس حصولِ علم کو ترک نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ اپنی نیت کو درست کر لینا چاہیے، اور جب تک نیت درست نہ ہو، محض نیت درست نہ ہونے کی وجہ سے ترکِ علم صحیح نہیں؛ کیوں کہ بزرگوں کا مقولہ ہے: ”تَعَلَّمْنَا الْعِلْمَ لِغَيْرِ اللهِ، فَأَبَى الْعِلْمُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ لِله“ (کہ ہم نے علم غیر اللہ کے لیے پڑھا تھا، مگر وہ مانا ہی نہیں، لہٰذا وہ اللہ کا ہو کر ہی رہا) اس لیے علم کے حاصل کرنے کو ترک نہ کرے؛ بلکہ اپنی نیت درست کر لے۔

دوسرا کام علمی استعداد مضبوط کرنا:

تصحیح نیت کے بعد جو اہم ترین کام ہے، وہ اپنی علمی استعداد کو مضبوط سے مضبوط کرنا ہے، اس کے لیے پہلے دن سے ہی اپنی کمر کسنا ہوگی، مدارسِ دینیہ میں جتنے بھی علوم پڑھائے جاتے ہیں، اُن میں اپنے آپ کو اتنا ماہر اور مضبوط بنانا ضروری ہے کہ علوم کا کوئی بھی شعبہ ہو (صرف ونحو ہو یا منطق، علم الکلام ہو یا فلسفہ وبلاغت، اصول فقہ ہو یا فقہ، اصول حدیث ہو یا حدیث، اصول تفسیر ہو یا تفسیر) اس استعداد کے حصول کے لیے اگر حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ کا ملفوظ سامنے رکھ لیا جائے تو انشاء اللہ وہ ہی کافی ہو جائے گا، حضرتؒ فرمایا کرتے تھے ”جو طالبِ علم تین کام کر لے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور علم کی دولت سے نواز دیں گے: **۱ء مطالعہ، ۲ء سبق میں توجہ سے حاضری اور ۳ء تکرار**۔ ان تینوں کاموں کو بہ ہر صورت انجام دینا حصولِ علم کی کامیابی کی کنجی ہے، اِن تینوں کاموں کے بارے میں اجمالاً یہ عرض کرنا ہے کہ ”مطالعہ“ نام ہے، معلومات کو

مجہولات سے الگ کر دینے کا، یعنی: جب آپ سبق میں شریک ہونے سے پہلے کتاب کھول کے مطلوبہ سبق کا مطالعہ کریں، اُس سبق کو صرفی نحوی اور لغوی اعتبار سے حل کریں، اُس کے ترجمے، ترکیب اور مفہوم کے سمجھنے کی کوشش کریں، اس کوشش میں جو جو کامیابی آپ کو حاصل ہو جائے، وہ "معلومات" کہلائیں گی، اور جو بات سمجھ میں نہ آسکے، اسے "مجہولات" کا نام دیا جائے گا، "مجہولات" آپ کے ذہن میں مستحضر ہونی ضروری ہیں؛ تاکہ کسی دوسرے وقت، کسی دوسرے ساتھی یا استاذ سے یا سبق میں انھیں خاص طور پر حل کیا جاسکے، مطالعہ کی اتنی کوشش انشاءاللہ آپ کو آگے سے آگے لے جانے کا ذریعہ بنے گی۔

اس کے بعد "سبق میں حاضری" کا مرحلہ ہے، اس مرحلے میں بھرپور کوشش یہ ہونا ضروری ہے کہ آپ سے نہ تو کوئی سبق چھوٹنے پائے اور نہ ہی کسی سبق میں بے توجہی اور غفلت سے شریک ہوں؛ بلکہ سبق کی ابتداء سے انتہاء تک پوری بیدار مغزی سے شرکت ضروری ہے، اس کوشش میں کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ دورانِ سبق استاذ کی زبان سے جو بات بھی نکلے اُس بات کے علاوہ کوئی بات آپ کے کانوں میں داخل نہ ہو، اسی طرح آپ کی آنکھ استاذ سے ہٹ کر کسی اور طرف مشغول ہونے والی نہ ہو، نیز! دل و دماغ پوری طرح سبق میں ہی حاضر رہیں، سبق میں سامنے آنے والی باتوں کو ذہن میں محفوظ کرنے کی کوشش کی جائے، اور سبق کے بعد انھیں کاغذ پر محفوظ کرلیا جائے۔

اس کے بعد آخری مرحلہ "تکرار" کا ہے، سبق میں سنی ہوئی باتوں کے دُہرانے کو "تکرار" کہتے ہیں۔ اس مرحلے میں مطالعہ اور سبق میں رہ جانے والی کسریں نکل جاتی ہیں، تکرار کا عمل جتنے بھرپور طریقے سے مکمل ہوگا، آپ کی سبق پر گرفت اتنی ہی زیادہ ہوگی، بزرگوں کا مقولہ ہے کہ جو طالبِ علم جتنا زیادہ تکرار کا ماہر ہوگا، وہ اتنا ہی بہترین مدرس بن سکے گا۔ تکرار کے بارے میں تجربہ یہ ہے کہ تکرار میں بولنے والے کو جو فائدہ حاصل ہوتا ہے، وہ سننے والے کو نہیں ہوتا؛ اس لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تکرار کی جوڑی دو افراد کی ہو، پہلے ایک بولے پھر دوسرا، اگر دو سے زیادہ ہوں، تو وقت کی قلت کے باعث ایک ہی بول سکے گا باقی صرف سننے والے ہوں گے، ان کے اندر اس مرحلے میں کمال حاصل کرنا ممکن نہ ہو سکے گا۔ یہ تینوں مرحلوں کا اجمالی خاکہ تھا، ان کی طرف مزید راہ نمائی متعلقہ اساتذہ سے حاصل کر کے قدم اٹھایا جائے۔

تیسرا کام خوش خطی اور عمدہ تحریر:

خوش خطی اور عمدہ تحریر کے ذریعے ایک عالمِ دین بہتر سے بہتر انداز میں دین کی خدمت کرسکتا ہے اور سامنے والے پر اچھا اثر ڈال سکتا ہے، اس صفت میں ملکہ حاصل کرنے کے لیے بھی پہلے دن سے ہی محنت کرنا

ضروری ہے، اگر ممکن ہو سکے تو کسی ماہر کاتب سے باقاعدہ وقت لے کر مشق کرے۔

چوتھا کام خطابت:

اپنی بات دوسروں کے سامنے رکھنے کے لیے، دوسروں کو دین کی طرف راغب کرنے کے لیے سب سے مؤثر ذریعہ زبان ہے، گفتگو کے فن اور خطابت کے اسرار و رموز سیکھے بغیر معاشرے میں پیدا ہونے والے سیکڑوں برائیوں کا سدباب آسانی سے ممکن نہیں ہے، ایک اچھا خطیب اور مقرر اپنے زورِ بیان کے ساتھ بے حس قوموں میں حس پیدا کرتا ہے، سوئی ہوئی اقوام کو بیدار کرتا ہے، بگڑے ہوئے اَخلاق کو سنوار سکتا ہے۔ اور یہ بدیہی بات ہے کہ ہر انسان میں قدرت کی طرف سے کچھ نہ کچھ قوتِ بیان عطا کی گئی ہوتی ہے، اب انسان کا کام ہے کہ وہ اپنی اس استعداد کو مسلسل مشق کرتے ہوئے درجۂ کمال تک پہنچائے، اس مشق کے لیے ضروری ہے کہ ماہرین کے اندازِ بیان کو خوب اچھی طرح اخذ کیا جائے اور خوب مشق کی جائے، اپنی بات میں وزن، قوت اور اثر پیدا کرنے کے لیے سب سے پہلے اپنی زبان کو سہل اور آسان کرنا ہوگا، یعنی: اپنی گفتگو میں آسان سے آسان تعبیرات، الفاظ اور اُسلوب اپنانا ہوگا، اس سے آہستہ آہستہ چہرے کے تاثرات، آواز کے اُتار چڑھاؤ اور جسم کی حرکات وسکنات پر کنٹرول حاصل ہوگا، الغرض چہرہ، آواز اور ہاتھوں کے مناسب اشارے ہماری بات میں قوت، تاثیر اور تفہیم پیدا کرتے چلے جائیں گے۔

پانچواں کام غیر نصابی مطالعہ:

درسِ نظامی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنی دینیات کے مطالعہ کو وسیع کرنا بھی ہماری ضرورت ہے، دینی مطالعہ کے ساتھ خارجی حالات سے تازہ ترین واقفیت بھی ہونی چاہیے؛ تاکہ اعتماد کے ساتھ پختہ اور معتمد دینی معلومات رکھتے ہوئے عوام کا سامنا کر سکیں، اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ مضر کتب کا مطالعہ نہ ہو، اس کا حل یہ ہے کہ مطالعہ اپنے اساتذہ کی نگرانی میں ہو، ان کے مشورے سے، درجہ وار، الاھم فالاھم کے قاعدے کے مطابق تدریجاً ہو، اور سب سے اہم بات یہ کہ فرصت کے اوقات میں ہو، نہ کہ تعلیمی اوقات میں۔

چھٹا کام تجوید وحفظ القرآن:

وہ طلبہ جو حافظِ قرآن نہیں ہوتے، انھیں عام طور پر دو تین مشکلات میں مبتلا دیکھا گیا ہے، ایک تو قرآنِ کریم حفظ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے مقامات پر دشواری ہوتی ہے، اس لیے طلبہ اپنی اس کمی کو پورا کرنے کی ابتدا سے ہی فکر کریں، کچھ نہ کچھ قرآنِ پاک روزانہ یاد کرتے رہیں، کم از کم آخری دو تین پارے اور

مشہور بڑی سورتیں تو یاد ہی کر لینی چاہییں، اور کسی ماہر فن قاری صاحب سے ضروری تجوید پڑھ کر اس کی مشق بھی کر لی جائے، اس ضمن میں خطباتِ جمعہ وعیدین اور خطباتِ نکاح بھی یاد کیے جائیں۔

ساتویں بات غیر تعلیمی سرگرمیاں:

یہ بات ہمیشہ سامنے رکھنے کی ہے کہ ہمارا مقصد علمِ دین حاصل کرنا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ہر ایسی سرگرمی سے بچنا نہایت ضروری ہے جو ہماری تعلیم کے لیے نقصان دہ ہو، اس میں سرفہرست امر یہ ہے کہ ہم اس زمانہ میں ہر طرح کی تنظیمی وابستگی سے اپنے آپ کو دور رکھیں، یہ وابستگیاں ہمارے تعلیمی پروگرام کے لیے زہرِ قاتل کی مانند ہیں، یہ زمانہ ہمارے لیے ایک ایک لمحے کے اعتبار سے نہایت قیمتی ہے؛ اس لیے اس دورانیے میں ہماری مشغولیت صرف اور صرف تعلیم کے ساتھ ہونی چاہیے، ہاں فراغت کے بعد ہمارے کرنے کے کاموں میں حسب مزاج جس کام کی طرف میلان ہو یا ضرورتِ زمانہ جس کی متقاضی ہو، اُسے اختیار کر لینا چاہیے اور ضرور اختیار کیا جائے؛ لیکن ابھی نہیں، ابھی تو اس تعلیم کے ساتھ عملی میدان میں تحریک پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

آٹھواں کام اساتذۂ کرام کے حقوق کی پاس داری:

ایک اچھے اور باکردار طالبِ علم کے مقام کو حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کے دل میں اپنے محسن اساتذۂ کرام کی محبت اور ادب، غایت درجے کا ہو، اُن کی دل جوئی، خدمت اور اکرام کو اپنی سعادت سمجھیں، ان کی بات دھیان اور توجہ سے سنیں، اُن کی نصائح کو اپنی کامیابی کا راز سمجھ کر اپنائیں اور اُن کی خدمت کے کاموں کو تلاش کر کے پوری لگن کے ساتھ کریں، یہ سب اُمور ایک طالبِ علم کو بہت جلد ترقی کی منازل طے کروا دیتے ہیں؛ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اِن سب اُمور کا انجام دینا بدنیتی، مجبوری یا کسی غرضِ فاسد کے لیے نہ ہو، کہ یہ نیت فوائد تو درکنار تباہی اور بربادی کی طرف لے جانے والی ہے۔

نواں کام مدرسہ کے ضوابط اور قوانین:

علم کی ترقی کے راستوں میں ایک ضروری چیز اس ادارے کے نظم ونسق اور اصول وضوابط کو پورا کرنا بھی ہے، یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ کوئی بھی ادارہ ہو، وہ بغیر اصول وضوابط کے نہیں چل سکتا اور یہ بات بھی بالکل بدیہی ہے کہ اصول وضوابط اجتماعی نظم کے درست رکھنے کے لیے ہوتے ہیں؛ اس لیے اپنے ادارے کے اصول وضوابط کو پورا کرنا ہماری خوشگوار زندگی کا سبب بنے گا، اس سے ہمارے اندر نکھار پیدا ہوگا، ہماری زندگی ایک مرتب نظام کے مطابق سلجھی ہوئی گزرے گی، ہر کوئی ہم سے خوش ہوگا اور ہم سب سے خوش ہوں گے، مثلاً: اس

کے لیے یہ اصول بنالیں کہ تعلیم کا وقت شروع ہوتے ہی درس گاہ میں پہنچ جانا ہے، کھانے کا وقت ہوتے ہی کھانے کے لیے چلے جانا ہے، سونے کا وقت ہوتے ہی سونے کے لیے لیٹ جانا ہے، درس گاہ ہو یا رہائشی کمرہ، اپنی باری پر خدمت اور صفائی کرنی ہے، تو یقین جانیے کہ مدرسہ کے کسی استاذ کو حتیٰ کہ مدرسہ کے کسی بھی کارکن کو آپ سے کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی، کوئی آپ سے تنگ نہیں ہوگا، نہ کسی کو آپ سے کسی قسم کی کوئی شکایت ہوگی اور نہ ہی آپ کو کسی کی طرف سے کسی قسم کی ناگواری کا سامنے کرنا پڑے گا۔

دسواں کام تعلق مع اللہ اور اصلاحِ ظاہر و باطن

ایک انتہائی اہم بات یہ ہے کہ ہماری سالہا سال کی یہ محنت اس لیے ہے کہ ہم میں سو فیصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے کی استعداد پیدا ہو جائے، لہٰذا عبادات کے ذریعے، مناجات کے ذریعے اور موقع و محل کے مطابق اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے ہم لمحہ بہ لمحہ اللہ تعالیٰ کے قرب میں آگے بڑھ سکتے ہیں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مسنون زندگی کا کوئی گوشہ ہم سے مخفی نہ ہو اور اسی طرح ہماری زندگی کا کوئی عمل سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف نہیں ہونا چاہیے، یہ کوشش ہماری ہر کوشش سے زیادہ قیمتی اور ضروری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سامنے رہے، ہم اپنی مدرسہ اور مدرسہ سے باہر کی زندگی میں اپنی طرف سے عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق اور خدمتِ خلق کا ایسا نمونہ چھوڑیں کہ آپ کی مثال دے کر لوگ اپنے بچوں کی تربیت کریں، ہم اپنے مقام پر، اپنے گھروں میں، اپنے گلی محلوں میں، اپنے معاشرے میں اپنے آپ کو ایسا پیش کرنے کی کوشش کریں کہ ہمارے متعلقین واضح طور پر، کھلی آنکھوں ہمارے بارے میں یہ محسوس کریں کہ "ہمارا یہ عزیز" مدرسہ کی زندگی اختیار کرنے سے قبل، یا سابقہ سال میں تو (اپنی عبادات، اپنے معاملات، اپنی حسنِ معاشرت اور اپنے اخلاق میں) ترقی کے اس معیار پر نہیں تھا، جس معیار پر اب پہنچ چکا ہے۔اس سے آپ انشاء اللہ العزیز ایک ایسے مثالی طالبِ علم بن جائیں گے کہ لوگ آپ کی صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو اپنے کندھوں پر بٹھائیں گے، آپ کا ادب کریں گے، آپ کی بات توجہ سے سنیں گے، آپ کے مشوروں پر عمل کریں گے، آپ کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھیں گے، اپنے فیصلوں کے لیے آپ کو حکم بنانا تسلیم کریں گے، آپ کی مثالیں دے کر اپنی اولاد اور اپنے ماتحتوں کی تربیت کریں گے، آپ کو دیکھ کر اپنی اولاد کو بھی مدارسِ دینیہ میں داخل کروانے کا فیصلہ کریں گے۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ رب العزت دنیا و آخرت کی سعادتیں آپ کا مقدر بنادیں گے۔

اللہ رب العزت ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے! آمین!

اصلاحی مضامین

عقیدۂ توحید! قرآن مجید اور گیتا کے تناظر میں

ازقلم: مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگر*

امت محمدیہ ﷺ کو ختم نبوّت کی برکت سے تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے عظیم کاز کا مکلف کیا گیا ہے، جس طرح ہر کام کے کچھ اصول اور طُرق ہوتے ہیں اسی طرح تبلیغ جو ایک عظیم کام بلکہ ایک تحریک ہے اس کی انجام دہی کے بھی کچھ اصول وآداب ہیں، خدا کے اس حکم اور فریضے کو اسی کے بتلائے ہوئے آداب کی روشنی میں انجام دینے کی کوشش کرنا چاہیے۔ جس ملک کے ہم باسی ہیں اس کی بیشتر آبادی ہندو ہے اور اس وقت کے علماء کے دل کی آواز یہ ہے کہ ہم ان کو اپنے سے قریب اور ہم خیال بنانے کی فکر کریں، ان کو ہم خیال کرنے کے لیے ہم کو اسی اصل اور طریقۂ دعوت کو اختیار کرنا چاہیے جو خالق کائنات اللہ رب العزت والجلال نے اپنی کتاب قرآنِ مقدس میں بیان فرمایا ہے، رسول خدا ﷺ کو راست طور پر جن فرقوں کو دعوت دینا تھا ان میں بہت سے نصرانی (کرسچن) اور یہودی تھے جو حضرت عیسیٰ وموسیٰ علیہما السلام کے متبعین تھے، تمام انبیاء کی مشترکہ دعوت توحید تھی جیسا کہ قرآن پاک کا ارشاد ہے: وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء:۲۵) کہ (اے محمد ﷺ) آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی انبیاء بھیجے ہیں سبھی کی طرف اس بات کی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، لہذا تم میری ہی عبادت کرو، غرض حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام کی بھی بنیادی دعوت توحید الٰہی تھی تو اللہ پاک نے شریعت محمدیہ ﷺ کی طرف مائل کرنے اور ان کو محمد ﷺ کی رسالت کا قائل کرنے کے لیے جو پیش کش ان کے سامنے رکھی اور اس کے لیے جو اسلوب دعوت اختیار کیا اس کو ملاحظہ فرمائیں، اللہ پاک نے فرمایا: قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْاْ إِلَى كَلَمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً أَرْبَاباً مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْاْ فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴿۶۴﴾ (آل عمران) حضور ﷺ سے کہا جارہا ہے کہ اے نبی! آپ کہیں اے اہل کتاب؛ آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اس کا کسی کو اور نہ بناوے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدر آباد

رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔

گویا یہ ایک قرآنی اسلوبِ دعوت ہے کہ فریق مخالف آپ کے عقائد کا مخالف ہو تو اس کو ایسے امر کی دعوت دو جو آپ کے اور اس کے درمیان مشترک ہو تا کہ اس متفقہ نظریہ کے سبب وہ آپ کی طرف مائل ہو، آج ہم مسلمانوں کو ہندوستان میں ہندوؤں کا سامنا ہے جو کہ ہندو مذہب کے ماننے والے ہیں، ہندو مذہب میں اگرچہ بہت ساری اسلام مخالف باتیں ہیں لیکن اسلام کا سب سے بنیادی عقیدہ "توحید اور ایک خدا کا تصور" اس مذہب میں بھی مسلم ہے، ذیل میں ہندوؤں کی مذہبی کتاب گیتا (GITA) سے ماخوذ کچھ عبارتیں اور قرآنی آیات واحادیث کو درج کیا جاتا ہے جن میں شرک کی نفی اور توحید کی تعلیم ہے۔

ہندو لوگ گیتا کو قرآن کی طرح مقدس مانتے ہیں تو گیتا میں ایک خدا سے کائنات کے آغاز کا تصور اس طرح بیان کیا گیا:

"Aham sarvasya prabhavo mattah sarvam pravartate"

(میں ہی ہر چیز کا مبداء (اصل سبب) ہوں، اور مجھ سے ہی سب کچھ پیدا ہوتا ہے۔) (گیتا 8:10)

اسی بات کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے: حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یمن کے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا: "یا رسول اللہ! ہمیں اس امر (یعنی تخلیق) کی ابتداء کے بارے میں بتائیے کہ وہ کیسے ہوئی؟"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اللہ سب سے پہلے تھا، اُس سے پہلے کچھ نہ تھا۔ اُس کا عرش پانی پر تھا، اُس نے لوحِ محفوظ میں ہر چیز کا ذکر لکھا ہے، پھر اُس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔" (بخاری، احمد، ترمذی، نسائی)

خدا کی تنہا قدرت کے متعلق گیتا میں مرقوم ہے:

"Bhavayatyekamekasya"

(بس ایک ہی خدا ہے جو سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔) (گیتا: 16:13)

اور یہ مضمون قرآن میں اس طرح وارد ہے:

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (یٰس: 83) پاک ہے وہ ذات جس کے قبضۂ قدرت میں ہر چیز کی ملکیت وقدرت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

صرف ایک خدا کی عبادت کا حکم دیتے ہوئے گیتا میں کہا گیا:

"Sarva dharman parityajya mam ekam sharanam vraja"

(تمام دوسرے دھرموں (رسموں) کو چھوڑ کر بس میرا سہارا لو۔) (گیتا 66:18)

اور اللہ پاک نے قرآن مجید میں فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (البقرۃ:21)۔ (اے لوگو! اپنے پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم متقی بن جاؤ)

اور ایک جگہ فرمایا: "ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿١٠٢﴾ (الانعام) (یہی اللہ تمہارا رب ہے، نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے، پیدا کرنے والا ہر چیز کا، سو تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے) نیز قرآن پاک میں جہاں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شریعت کے بارے میں کئی ساری بعد کی شریعتوں کے لئے اصل ہونے کا اشارہ موجود ہے وہیں حضرت ابراھیم علیہ السلام کی شریعت کے لئے ''حنیف'' کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا بھی واضح مطلب یہی ہے کہ تمام چیزوں سے کٹ کر ایک خدا کی طرف رخ کرنا جو کہ گیتا کی عبارت سے مفہوم ہو رہا ہے۔

معبود برحق کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک ٹھہرانے کے متعلق گیتا میں لکھا ہے:

"Avyaktam vyaktim apannam manyante mam abuddhayah"

جو ناسمجھ لوگ ہیں، وہ میری اصل حقیقت کو نہیں جانتے اور دوسروں کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ (گیتا:24:7)

اور اللہ ربّ العزّت نے بھی شرک کے متعلق وعید بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰى إِثْمًا عَظِيمًا" (النساء:48) (جس کسی نے شرک کیا (یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی پرستش کی) اس نے بہت بڑے گناہ کی بات کو گھڑ لیا ہے۔)

دوسری آیت میں فرمایا گیا: "اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ " (المائدۃ:72) (جو کوئی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر دیتے ہیں اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔)

یہ اسلوب قرآن کے مطابق قرآن وحدیث اور گیتا سے کچھ عبارات کی روشنی میں عقیدۂ توحید کی وضاحت اور شرک کی قباحت ہے، مقصد کلام بس یہی ہے کہ جو اسلام کی اصل تعلیمات ہیں ساری انسانیت کا اصل نظریہ وہی ہے، اور اللہ نے بھی قرآن پاک میں فرمایا کہ "(اے نبی!) ہم نے آپ سے پہلے جس کسی کو رسول بنا کر بھیجا اس کی جانب بھی یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے، لہٰذا تم میری عبادت کرو" (انبیا:۲۵)

دنیا کے تمام مذاہب بعد کی پیداوار ہیں جو اصل دین وشریعت جو اللہ کی طرف سے اتری ہے اسی میں

حذف واضافہ کر کے ترتیب دیے گئے ہیں، ہندو مذہب جو دنیا کی ایک بڑی تعداد کے نزدیک مسلم ہے بالخصوص ہماری ہندوستانی قوم کا ایک بڑا طبقہ اس کو مانتا ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ ایسی باتوں کو جو ہندو مذہب اور اسلام کے درمیان مشترک ہیں نکال کر برادران وطن کے سامنے پیش کریں اور اس طرح ان کو اسلام سے مانوس کریں، جب وہ لوگ کسی قدر اسلام کی جانب میلان ظاہر کریں گے تو ایسی کتابیں جو ان کے لیے اسلام کی راہ ہموار کرتی ہیں یا ایسے لوگ جو ان کے نظریات کے مطابق ان کے سامنے اسلام کی تفہیم کر سکیں ان کے حوالے کیا جائے تو کسی درجے میں ان کے لیے اسلام لانے کا ذریعہ بن سکتا ہے یا آخری درجے میں اسلام کے متعلق جو نفرت و زہر ان کے دلوں میں بٹھایا گیا وہ کم ہو سکتا ہے اور بحیثیت مسلمان اغیار و کفار تک اسلام کی دعوت پہنچانا اور اسلام کی صحیح شکل سے متعارف کروانا ہمارا ایمانی فریضہ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ سے)

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

مولانا کی اچانک رحلت کا دل پر بڑا اثر ہوا اور حقیقت یہ ہے کہ ایک علم کا گنج گراں مایہ ہمارے ہاتھ سے جاتا رہا۔ مولانا کی وفات برصغیر کے علمی حلقوں اور بالخصوص مظاہر علوم سہارنپور کا ایسا علمی و فکری خسارہ ہے جس کا قلق مدتوں ستائے گا۔ آپ کے ہزاروں شاگرد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں، جو آپ کے لیے توشۂ آخرت ہیں ۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را!

اصلاحی مضامین

عزت تو اللہ کے احکام پر عمل کرنے ہی میں ہے!

از: مولانا مفتی محمد عبدالحمید قاسمی*

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسے دنیا میں ایک عظیم مقصد کے تحت بھیجا تاکہ وہ اپنے رب کو پہچانے، اس کی عبادت کرے اور اس کے احکام پر عمل کرے آج کے دور میں انسان عزت، شہرت اور مقام حاصل کرنے کے لئے دنیاوی ذرائع اختیار کرتا ہے مگر سچی و دائمی عزت اور حقیقی کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

عزت کا حقیقی مفہوم:۔ عزت کا مطلب وقار، بزرگی، احترام اور مرتبہ ہے۔ یہ دنیاوی دولت، عہدہ یا طاقت سے نہیں بلکہ کردار، تقویٰ اور اطاعت الٰہی سے حاصل ہوتی ہے قران مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں" جو شخص عزت چاہتا ہے تو عزت تو ساری اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے (سورۂ فاطر:10)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت عزت کا ذریعہ ہے:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اللہ نے انہیں خلیل اللہ بنا دیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ سے بچ کر قید خانے کو قبول کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مصر کا بادشاہ بنا دیا، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اللہ اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر حکم پر لبیک کہا دنیا ان کے عزت کی گواہ بنی۔

نافرمانی ذلت کا سبب ہے:۔ شیطان نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی ہمیشہ کے لئے ذلیل و مردود ہو گیا فرعون، قارون اور نمرود نے اللہ کی نافرمانی کی تاریخ میں ان کی ذلت کی مثالیں باقی ہیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مَنۡ كَانَ يُرِيۡدُ الۡعِزَّةَ فَلِلّٰهِ الۡعِزَّةُ جَمِيۡعًا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عزت کا اصل سرچشمہ اللہ کی ذات ہے اور جو اس کے احکام پر عمل کرتا ہے اللہ اسے عزت عطا فرماتا ہے ایک اور مقام پر اللہ نے فرمایا: وَلَقَدۡ كَرَّمۡنَا بَنِيۡۤ اٰدَمَ ہم نے بنی آدم کو عزت دی۔ یہ عزت اسی وقت باقی رہتی ہے جب انسان اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر چلے اگر وہ اس راستے سے ہٹ جائے تو ذلت اس کا مقدر بن جاتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" ان اللہ یرفع بھذا الکتاب اقواما و یضع بہ آخرین " یقیناً اللہ تعالیٰ اس قرآن کے

* معلم جامعہ صدیقیہ فیض العلم، کریم نگر

ذریعے کچھ قوموں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ کو گرا دیتا ہے (صحیح مسلم) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے قرآن اوراس کے احکام پرعمل ہی اصل سربلندی اور عزت کا راستہ ہے ایک اور حدیث میں فرمایا:" من التمس رضا الله بسخط الناس رضی الله عنه و ارضی عنه الناس " جواللہ کی رضا کولوگوں کی ناراضی پر ترجیح دے اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس سے راضی کر دیتا ہے۔ یہ حدیث ہمیں اس بات کو سکھاتی ہے کہ اگر ہم اللہ کے حکم کو مقدم رکھیں تو وہی ہماری عزت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جو شخص قرآن وسنت کو اپنی زندگی کا دستور بناتا ہے اللہ اس کو دنیا و آخرت دونوں میں عزت عطا کرتا ہے۔

تقویٰ عزت کا معیار ہے:۔ اگر کوئی شخص امیر ہو تو مال و عزت کی بنیاد پر لوگ اسے عزت دیتے ہیں چاہے اس کا کردار خراب ہو لیکن ایک متقی، نیک دیندار غریب شخص کو نظر انداز کر دیتے ہیں، کسی کے پاس بڑا عہدہ ہو تو لوگ اس کے آگے پیچھے پھرتے ہیں اس کے غلط کاموں پر بھی آنکھ بند کر لیتے ہیں، بعض لوگ شہرت کو عزت کا معیار بنا کر مشہور وشہرت یافتہ اداکار، گلوکار، کرکیٹر، اینکر، رپوٹرز یا یوٹیوبرز سے متاثر ہو کر انھیں کو نہ صرف اصل عزت سمجھتے ہیں، بلکہ ان کو اپنا آئیڈیل بناتے ہیں حالانکہ ان کی طرز زندگی دین سے کافی دور ہوتی ہے، اسی طرح اگر کوئی مہنگے لباس پہنے اور قیمتی گاڑی میں ہو تو لوگ اسے خاص مقام دیتے ہیں گویا یہی عزت کی اصل علامت ہے۔

دینی علم اور تقویٰ کو کمتر سمجھنا: ایک عالم دین یا حافظ قرآن کو صرف اس لئے کم اہمیت دی جاتی ہے کہ وہ سادہ زندگی گزارتا ہے یا اس کے پاس دنیاوی چیزیں نہیں ہیں، یہ درست نہیں ہے، آج بعض والدین دنیاوی تعلیم کو عزت کا معیار بنا کر بچوں کو صرف دنیاوی تعلیم کی طرف لگانے اور ڈاکٹر انجینئر یا بینکر بنانے کو ہی کامیابی اور عزت سمجھتے ہیں، جبکہ دین کی تعلیم یا حفظ قرآن مجید کو کم اہمیت دی جاتی ہے، بہرحال یہ سب اس بات کی نشانیاں ہیں کہ لوگ دنیاوی زندگی کو اصل عزت سمجھ بیٹھے ہیں حالاں کہ اللہ کے نزدیک اصل عزت تقویٰ، دین داری اور اخلاق میں ہیں۔قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ " اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار ہے" عزت اور ذلت کا اصل معیار امورِ دنیا نہیں بلکہ امورِ آخرت ہے، دنیا کی ظاہری عزت دھوکہ ہوسکتی ہے لیکن جو شخص اللہ کے نزدیک عزت والا ہے وہی واقعی عزت والا ہے۔چنانچہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ دنیا میں وہ ایک حبشی غلام تھے جنہیں کفار مکہ بہت ذلیل کرتے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد ان کا مقام اتنا بلند ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلال میں نے جنت میں تمہارے قدموں کی آہٹ سنی ہے۔ (صحیح بخاری) اللہ اکبر۔۔۔ دنیا میں غلام

جنت میں عظیم لوگوں میں شامل" اس کے برعکس فرعون دنیا کا بادشاہ، مال طاقت، فوج سب کچھ تھا لوگ اس سے ڈرتے تھے چونکہ وہ اللہ کا انکار کرنے والا تھا لیکن قرآن نے اس کے انجام کی خبر دی" آج ہم تمہاری لاش کو بچا لیں گے تاکہ تمہارے بعد والوں کے لئے عبرت ہو۔(سورہ یونس:92)

دنیا میں عزت دار مگر آخرت میں ذلت کا نشان: حضرت عمارؓ اور ان کے والدین نے اسلام کے ابتدائی دور میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں، مشرکین نے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ دئے، حضرت سمیہؓ اسلام کی پہلی شہیدہ بنیں، دنیا میں لوگ ان پر ظلم کرتے تھے لیکن آج ان کا ذکر عزت واحترام سے ہوتا ہے اور آخرت میں ان کا مقام جنت ہے انشاءاللہ۔ ابوجہل قریش کا سردار دنیاوی لحاظ سے بہت عزت دار سمجھا جاتا تھا لیکن اللہ کا دشمن ہونے کی وجہ سے دنیا میں تو عزت دار مگر اللہ کے نزدیک ذلیل۔ بہرحال دنیا کی عزت وقتی ہے مگر اصل عزت وہ ہے جو اللہ کے ہاں ہو۔کسی نے کیا خوب کہا: دنیا کی عزت مال سے ہے آخرت کی عزت اعمال سے ہے۔

منافقین کی غلط فہمی:۔ سورۂ نساء آیت (139) میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا ہے کہ ایک طرف وہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ مل کر آپ کو ایمان والا کہتے تھے تو دوسری طرف درپردہ کفار سے صرف اس وجہ سے میل جول رکھتے تھے کہ ان کے ذہنوں میں" دین اسلام" سے متعلق یہ غلط فہمی تھی کہ اسلام تو بڑھنے والا نہیں ہے یہ دو چار دن کا ہے اس کے بعد بدستور کفار ہی کا پلہ بھاری رہے گا تو کیا ضرورت ہے ہم ان سے اختلافات پیدا کریں اور ادھر مسلمانوں سے اس وجہ سے ملتے تھے کہ ان کے دلوں میں اس بات کا بھی ڈر لگا رہتا تھا کہ اگر مسلمانوں کو غلبہ ہو گیا تو ہماری خیر نہیں، اس لئے اس وقت کہنے کے لئے یہ موقع رہے کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں یہ ارشاد فرمارہے ہیں منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ کفار کے پاس عزت ہے اس لیے ان سے میل جول رکھ کر عزت کے طالب ہیں حالاں کہ عزت تو اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

عزت حاصل کرنے کا غلط طریقۂ کار:۔ عزت حاصل کرنے کے لیے غلط اور اللہ تعالی کو ناراض کرنے والے راستے اختیار کیے جاتے ہیں نہ ہی جائز و ناجائز کی پرواہ، بل کہ عزت اور آبرو کی ایسی حفاظت کرتے ہیں کہ دین رہے یا نہ رہے مگر آبرو، عزت اور شان وشوکت میں کچھ فرق نہ آئے ،اس سلسلہ میں انتہاء یہ ہے کہ عورتیں عزت کے حصول کے لئے ایسے راستے اختیار کی ہوئی ہیں کہ دین کی پرواہ ہی نہیں، چنانچہ شادیوں کی تمام رسوم کا خلاصہ یہی ہے کہ عزت میں فرق نہ آئے اور مرد بھی ان رسم ورواج میں ان کے ایسے تابع ہو جاتے ہیں کہ کوئی کام بغیر ان کی اجازت اور مرضی کے نہیں کرتے ، ان تقریبات میں فضول روپیہ الگ برباد ہوتا ہے رسم و رواج کے دلدل میں ایسے پھنستے ہیں کہ قرض پر قرض ہو جاتا ہے، جائیدادیں نیلام ہو جاتی ہیں مسلمانوں کے

بہت سے گھر اسی میں برباد ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں، اسی وجہ سے آئے دن مسلمانوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور قرضوں بلکہ سود کی لعنت میں پھنس رہے ہیں اور مقصد یہ ہے کہ تھوڑی سی دیر کے لیے میرا نام اور میری عزت ہو جائے، چاہے ساری عمر برباد ہی کیوں نہ ہو، غرض یہ سب تباہیاں رسم و رواج میں فضول خرچی کی وجہ سے ہیں جو کبھی جھوٹی عزت حاصل کرنے کے لیے تو کبھی حظ نفس کے لئے کی جاتی ہیں۔ عورتیں تقریبات میں جہاں جائیں گی بن ٹھن کر جائیں گی اگر زیور، کپڑے اپنے پاس نہ ہو تو دوسروں سے مانگ کر پہنیں گی لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ جس حیثیت سے گھر میں رہتی ہیں اسی طرح چلی جائیں پھر وہاں تقریبات میں ایک دوسرے کو دیکھ کر حرص پیدا ہوتی ہے آکر اپنے شوہروں سے فرمائشیں کرتی ہیں (الا ماشاءاللہ) جس کے نتیجہ میں شوہر رشوت لے کر، ظلم کر کے، دھوکہ دے کر، روپیہ جمع کر کے بیوی کی فرمائشیں پوری کرتے ہیں جس سے جرائم کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ الامان و الحفیظ

عزت حاصل کرنے کا سچا طریقہ:۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہم چھوٹے ہو کر رہیں یعنی تواضع اختیار کریں دوسروں کو حقیر نہ سمجھیں، اچھی صحبت ضرور اختیار کریں، اپنے اندر اچھے اخلاق پیدا کریں، برے اخلاق کو دور کریں، شریعت کی اتباع کریں، آج مسلمان ذلیل و خوار اسی وجہ سے ہیں کہ شریعت کے احکام کو چھوڑے ہوئے ہیں، سامان ذلت کو سامان عزت سمجھ رہے ہیں حق بات ہے کہ مسلمانوں کی تباہی اور ذلت کا حقیقی سبب اسلامی احکام کو کھلم کھلا نظر انداز کرنا جرأت مندانہ طریقہ پر خلاف ورزی کرنا ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں و بیاں ہے کہ عزت ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور فرماں برداری کی ہوتی ہے جتنی اطاعت میں کمی ہوگی اتنی عزت میں بھی کمی ہوگی۔

امت مسلمہ کے نام ایک اہم پیغام:۔

اگر ہم عزت چاہتے ہیں تو ہمیں اللہ کی کتاب سنت رسول اللہ ﷺ اور دین اسلام پر عمل کرنا ہوگا نماز، صدقہ، حلال روزی، سچائی، امانت، صبر یہ سب عزت کی راہیں ہیں۔ بالخصوص قناعت پسندی کو اپنانا ہوگا، جھوٹی شان و شوکت اور دنیاوی عزت دکھانے کی خاطر سود، رشوت، فینانس، جوا، سٹے بازی، حراج کی چٹیوں اور ناجائز شرطوں کی رقم، ظلما اور ناجائز طریقوں پر قبضہ کی ہوئی زمینوں کی آمدنی اور آن لائن گیمس و یوٹیوب وغیرہ کی غیر شرعی آمدنی، بینک اور قرضۂ حسنہ کے نام سے قرض لیکر اور ای، ایم، آئی (EMI) یعنی ادھار قسطوں کے طور پر مہنگے فون، گاڑیاں اور غیر ضروری چیزوں کو خریدنے، آرام دہ اور لگژری زندگی گزارنے اور اپنی ناجائز خواہشات کی تکمیل میں اپنی حیثیت سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو مالدار اور عزت والا دکھانے نیز اپنی دنیاوی

عزت اور شان بگھارنے کے لئے شادی بیاہ کے موقع پر جہیز کا سامان، جوڑے کی رقم، ڈیکوریشن وغیرہ پر بیجا مال صرف کرنا وغیرہ یقیناً یہ سب دنیا و آخرت کا خسارہ اور نقصان ہے، ان سے بچنا چاہئے۔

خلاصہ:-

عزت... دولت، عہدے یا شہرت میں نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور اس کے احکام کی پیروی میں ہے، جو اللہ کا ہو گیا اللہ اسے کبھی رسوا نہیں کرتا، جو شخص اللہ کے جتنا قریب ہوگا اسی قدر وہ باعزت ہوگا۔ اس کے برعکس جو شخص اللہ سے جتنا دور ہوگا اسی قدر وہ ذلیل ہوگا' چاہے دنیا میں وہ بظاہر کتنا ہی باعزت اور صاحب ثروت ہو۔ لھذا احکام خداوندی پر عمل کرنے کے لئے علماء، اللہ والوں اور صاحب نسبت بزرگوں کی صحبت و اصلاحی تعلق قائم کرنا، حلال کمائی، نمازوں کی پابندی، قرآن مجید کی روزآنہ تلاوت، ذکر و اذکار اور دعاؤں کا خاص اہتمام ہونا چاہئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا مطیع و فرماں بردار بندہ بنا کر دنیا و آخرت میں حقیقی عزت نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین۔

(بقیہ صفحہ ۴۸ سے)

یا دوسرے لفظوں میں اسلام کا ''مغربی ایڈیشن'' پیش کرنے کی ایک نا معقول اور نا قابل قبول کوشش کی ہے، بدقسمتی سے مغربی حکومتیں یونیورسیٹز اور دیگر اکیڈمک اداروں میں اس طرح کی شخصیات اور ان کے تربیت یافتہ افراد کا تقرر کرتی ہے اور خود مسلمانوں کے مغرب زدہ اشرافیہ میں ان کی خاص پذیرائی ہوتی ہے۔

اسلام پسند اور دین و شریعت کے پابند مسلمانوں کے لئے اسلامی عقائد و تعلیمات کی ایسی تعبیر و تشریح بالکلیہ طور پر نا قابل قبول ہے جو کتاب و سنت اور اجماعِ امت سے ماخوذ و مستنبط ہونے کے بجائے سکہ رائج الوقت کی طرح مانے جانے والی مغربی فکر و فلسفہ کے زیر اثر ہو۔

افاداتِ اکابر

کامیاب تدریس کے رہنما اصول

ہر مدرس، معلم، استاذ، اور مربی مرد اور عورت کے لئے رہنما ہدایات!

از: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب رحمہ اللہ*

(1) اخلاص وللّٰہیت۔(2) طلبہ سے گہری ہمدردی اور محبت وشفقت۔(3) ان کے علم وکردار کو بنانے کی دھن۔(4) درس کی پورے اہتمام سے تیاری۔(5) رجوع الی اللہ اور دعا کا اہتمام۔

(6) طلبہ میں متعلقہ فن کی دلچسپی پیدا کرنا اور ان کے دلوں میں اس کی اہمیت وافادیت کو راسخ کرنا، استاذ کے لیے کلیدِ کامیابی ہے۔(7) ہر طالب علم پر اُس کی ذہنی سطح اور نفسیاتی کمزوریوں اور خوبیوں کو سامنے رکھتے ہوئے انفرادی توجہ دینا۔(8) حوصلہ افزائی: ممتاز طلبہ کی حوصلہ افزائی ضروری ہے، مگر انداز اس طرح اختیار کیا جائے کہ کمزور طلبہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں، کمزور طالب علم کو کبھی بے وقوف اور غبی جیسے الفاظ نہ کہے جائیں کہ ان سے اُس کا حوصلہ ٹوٹ جائے گا، ایسے طلبہ کا حوصلہ بڑھانے کی ضرورت ہے۔(9) جو طالب علم اچھا سوال کرے، اُسے سراہا جائے اور سب طلبہ کو سنوایا جائے۔(10) ایک ایک بات کو مختلف اسالیب اور مثالوں سے سمجھایا جائے تاکہ ہر طالب علم کو اُس کی ذہنی سطح کے مطابق راہنمائی مل سکے، ذی استعداد طلبہ مشکل بات کو اصطلاحی الفاظ سے بآسانی سمجھ جاتے ہیں، جبکہ کمزور طلبہ کو وہی بات سمجھانے کے لیے عام فہم الفاظ اور مثالوں کی ضرورت ہوتی ہے، صرف کتاب میں درج شدہ مثالوں پر اکتفا نہ کیا جائے، اپنی طرف سے نئی مثالیں پیش کی جائیں اور پھر طلبہ سے نئی مثالیں پوچھی جائیں۔

(11) استاذ کو درس کے لئے مطالعہ اور تحقیق تو اپنی اور طلبہ کی ضرورت کے مطابق کرنی چاہیئے، لیکن درس میں صرف اتنا بتانا چاہیئے جتنے کی انہیں ضرورت ہے، اپنی ساری معلومات اور تحقیقات کو انڈیل دینا، ان کے ساتھ اور اپنے فرائض منصبی کے ساتھ ناانصافی ہے۔(12) مطالعہ کے دوران سبق کا تجزیہ کرلیا جائے تو استاذ کے لئے تفہیم اور طلبہ کے لئے اُس کا فہم آسان ہوجاتا ہے، پھر جب تک سبق کا پہلا جزء اچھی طرح سب طلبہ نہ

سمجھ جائیں، اگلا جز شروع نہ کیا جائے، مثلاً جب تک طلبہ کو صورتِ مسئلہ اچھی طرح نہ سمجھا دی جائے اُس وقت تک اُس میں علماء کا اختلاف نہ بیان کیا جائے اور جب تک یہ اختلاف ان کے ذہن نشین نہ ہو جائے، دلائل شروع نہ کیے جائیں، جب تک پہلی دلیل پوری طرح ان کے سمجھ میں نہ آئے دوسری دلیل شروع نہ کی جائے۔ جب تک کسی دلیل کا ایک جواب واضح طور پر نہ سمجھا دیا جائے، دوسرا بیان نہ کیا جائے۔ وغیرہ۔ (13) ابتدائی درجات میں تحریری اور زبانی مشق زیادہ سے زیادہ کرائی جائے، خصوصاً نحو، صرف اور ادب میں اس کا خیال رکھا جائے۔ (14) یہ اطمینان کرنے کے لئے کہ سب طلبہ سبق میں دلچسپی لے رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں، درس کے دوران اور درس کے اختتام پر استاذ کو چاہیئے کہ اُن سے سوالات کرتا رہے، خصوصاً کمزور طلبہ سے کہ وہ کیا سمجھے؟ (15) کوشش ہونی چاہیئے کہ عبارت پڑھنے کا موقع ہر طالب علم کو ملے، ایسا نہ ہو کہ پورے سال صرف چند طلبہ تو عبارت پڑھیں، باقی محروم رہیں، اس کے لئے یا تو باری مقرر کر دی جائے، لیکن اس سے بہتر یہ ہے کہ ہر روز استاذ ہی عبارت پڑھنے والے کا انتخاب کرے۔

(16) طلبہ کو درس سے پہلے مطالعہ کا اور درس کے بعد کسی وقت تکرار کا پابند کیا جائے۔ (17) درس سے دلچسپی پیدا کرنا: جب کوئی مشکل بحث آئے یا طلبہ کی اکتاہٹ کا اندیشہ ہو تو طبیعتوں میں نشاط پیدا کرنے کے لئے کوئی دلچسپ چٹکلا، لطیفہ، مختصر قصہ یا دلچسپ شعر سنا دیا جائے۔ (18) طلبہ کے ساتھ نہ حد سے زیادہ بے تکلفی ہو کہ وہ گستاخ بن جائیں، نہ اتنی سنجیدگی یا رعب کہ وہ ضروری سوال کرنے سے بھی جھجکنے لگیں۔ (19) طلبہ کو صرف کتاب پڑھانا مقصود نہیں ہونا چاہیئے، بلکہ متعلقہ فن سے مناسبت اور اس کا ملکہ بیدار کرنے کی بھی ضرور کوشش کرنی چاہیے۔ (20) انداز تخاطب میں شائستگی۔

(21) اپنا عملی نمونہ فن تدریس بہت نازک اور محنت طلب فن ہے اور اس کی جزئیات بے شمار ہیں، اس میں قدم قدم پر اپنی اپج اور اجتہادی صلاحیت سے کام لے کر نت نئی راہیں تلاش کرنی پڑتی ہیں، ہر طالب علم کے لیے بسا اوقات الگ طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے، کسی خاص لگے بندھے طریقے کا استاذ کو پابند کرنا، نہ مناسب ہے نہ ممکن، ہر موقع کے لئے اُسے خود ہی طریقہ ایجاد کرنا پڑتا ہے۔

البتہ مذکورہ بالا جن امور کا ذکر میں نے کیا ہے، وہ اصولی درجے کے ہیں اور ہر کامیابی چاہنے والے استاذ کے لئے ان شاء اللہ مفید ہے۔

افاداتِ اکابر

اشرف المجالس

ترتیب وپیش کش: مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی*

مخدومنا ومحبوبنا حضرت مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی ہر جمعہ بعد نمازِ عصر ہفتہ واری اصلاحی مجلس میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے "منتخب ملفوظات" (مرتبہ حضرت مولانا یحییٰ نعمانی زید مجدہٗ) کی تعلیم فرماتے ہیں، اُن ملفوظات کی توضیح وتشریح کو قارئین اشرف الجرائد وعامۂ مسلمین کے لئے ترتیب دیا گیا ہے۔ از مرتب

(۳۲) اکابر کو اپنے مقربین سے چوکنا رہنا چاہئے

ارشاد فرمایا:- کچھ لوگ بڑوں کے مقرب بن جاتے ہیں، لیکن ان کی طبیعت میں فتنہ ہوتا ہے تو لگائی بجھائی کرتے رہتے ہیں، اچھے خاصے معتقد اور خاص لوگوں کو دور کر دیتے ہیں؛ یہ ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں: یہاں تک کہ حضرت علی اور معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگیں ہوئیں اس کے پیچھے بھی اسی قسم کے فتنہ پھیلانے والے لوگ تھے، بہر حال طرفین کو اس کا خیال رکھنا چاہیے، اگر کسی منصب یا عہدے پر ہوں تو ان کو اپنے قریب رہنے والے لوگوں سے چوکنا رہنا چاہیے کیوں کہ یہ لوگ خیر خواہ بھی ہو سکتے ہیں فتنہ فساد کرنے والے بھی ہو سکتے ہیں۔

(۳۳) غیر اختیاری شہرت نعمتِ الٰہی ہے

ارشاد فرمایا:- حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مشہور شعر ہے

میں تو مٹا بیٹھا تھا نام و نشان اپنا
خدا جانے کس نے اڑا دیا یہ شہرہ میرا

ممکن حد تک آدمی کو بے نام ونشان اور گمنام رہنا چاہیے؛ لیکن اگر اللہ تعالی کی طرف سے شہرت ہوتی ہے تو یہ شہرت غیر اختیاری ہے، کوئی بندہ مشہور ہونا تو نہیں چاہ رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے مقبولیتِ عامہ پیدا فرما دی ہے، تو یہ نعمتِ الٰہی ہی ہے، بس اس کے ضرر سے ڈرتے رہنا چاہیئے؛ یہ غیر اختیاری شہرت

بڑی نعمت ہے، اس سے اللہ کے بندوں کے دلوں میں محبت ہوگی، مسلمان اس سے محبت کریں گے؛ یہ بھی ایک نعمت ہے، ایسی شہرت مضر نہیں ہے، اس لیے کہ اس شہرت کے باوجود اس کا دل گُم نامی اور گوشہ نشینی کو پسند کرتا ہے، سالک کو چاہیئے کہ اس کا متقاضی نہ رہے، شہرت کے اسباب اختیار نہ کرے، ہمارے دل میں شہرت پسندی اور نام ونمود اگر ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے مخفی نہیں ہے، اس لیے اس سے بچنا چاہیے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی خود شہرت چاہتا ہے، تواضع اور خاکساری کا تصنع وتکلف کرتا ہے، ایسی باتیں اور ایسی شکلیں اختیار کرتا ہے؛ لیکن دل میں تو یہ ہوتا ہے کہ خوب نام اور شہرت ہو، تو یہ مرض ہے، اور یہ نقصان دہ ہے، سوشل میڈیا کے اس دور میں آج ہر شخص شہرت کا طالب ہے، اور ہماری برادری (یعنی علماء وطلبہ) اس فتنے میں زیادہ مبتلا ہیں۔

(۳۴) حرمین شریفین کی حاضری سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہیے

ارشاد فرمایا:۔ ہمارے حضرت محی السنہ رحمت اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: یہ غور کرو کہ یہاں (حرمین شریفین) کتنے دن کے لیے آئے ہو؟ اور اس کے لیے کتنا خرچہ ہوا ہے؟ ماہانہ خرچہ کتنا ہے؟ عمرہ یا حج کی وجہ سے اس مہینے میں کتنا ہوا ہے؟ تو اتنا خرچہ کرنے کا مقصد کیا ہے؟ حرم کی حاضری، حرم کی نمازوں کا ثواب، طواف کی دولت، درود شریف کی کثرت، اور مدینے میں زیارت اور سلام عرض کرنا؛ ان مقاصد کے لیے یہ زائد پیسہ خرچہ ہوا ہے، ورنہ اتنے پیسوں میں ہمارے چھ مہینے کا خرچ نکل جاتا، اتنا خرچہ کچھ پانے کے لیے ہوا، تو کم سے کم اتنے پیسوں کی قیمت تو وصول کرو، جہاں ایک رکعت کا ثواب ایک لاکھ کے برابر ہو جاتا ہے، وہاں کی نماز چھوٹ جائے یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ مقامی لوگ کرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ان کو قدر نہیں ہے؛ لیکن جو دور سے گیا ہے اس سے ناقدری کیسے ہوسکتی ہے۔

(۳۵) راہِ سلوک کے فوائد

ارشاد فرمایا:۔ صدقِ طلب ہو تو اللہ ہر کام آسان کرتے ہیں، شیخ کیا کرتا ہے؟ اس کے بولنے سے بس تھوڑی ہمت بڑھ جاتی ہے اور کام کرنے میں مدد ہو جاتی ہے، دوسرے نیک لوگوں کے ماحول کی برکت ہوتی ہے، تیسرے دعا کی برکت ہوتی ہے، غائبانہ دعا اقرب الی القبولیت ہے، چوتھے پختہ ارادے کے لئے اچھے ماحول سے بھی مدد مل جاتی ہے۔ اگر آپ کو اچھے کام کی توفیق ملی ہے تو اللہ کا شکر کرو، اور استقامت کی فکر کرو، دھوکہ مت کھاؤ، اس لئے کہ موت تک کام کرنا ہے؛ ابھی اطمینان نہیں،

جس کو طمانینت حاصل ہوئی تو سمجھ لے کہ اس کا کام بگڑ گیا ہے؛ اس لیے مطمئن کبھی نہیں ہونا۔

کچھ بھروسہ نہیں نفس امارہ کا اے زاہد
فرشتہ بھی یہ اگر ہو جائے تو اس سے بدگماں رہنا

(۳۶) دعوتِ دین کی حکمتِ عملی

ارشاد فرمایا:۔ دعوتِ دین میں؛ تربیت میں؛ درس و تدریس میں؛ اور تبلیغ میں بھی ہر جگہ حکمتِ عملی کی ضرورت ہوتی ہے، حکمت کسے کہتے ہیں؟ حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ فرماتے تھے: دعوت کی حکمت کا مطلب ہے؛ موقعہ شناسی، مردم شناسی، مزاج شناسی: یعنی ہم جس کو دعوت دے رہے ہیں اس کے لئے یہ وقت مناسب ہے یا نہیں؟ بولنے کا موقع مناسب ہے یا نہیں؟ اگر بے موقع بولو گے تو دعوت رائیگاں ہو جائے گی، یہ ''موقع شناسی'' ہے؛ جو دعوت کی ایک شق ہے، دوسری شق مدعو کو دیکھنا ہے کہ کس مرتبے کا ہے؟ ماں ہے؟ بیٹی ہے؟ بہن ہے؟ یا مولانا صاحب ہیں؟ یا بستی میں حیثیت رکھنے والے آدمی ہیں؟ مختلف حیثیتوں کے لوگ ہوتے ہیں؛ ان کی حیثیت کو جاننا اور اسی حساب سے گفتگو کرنا ''مردم شناسی'' ہے، تیسری شق ہے مزاج شناسی یعنی مزاج کو پہچاننا کہ اس کا مزاج کیسا ہے؟ نرمی سے مانتا ہے یا سختی سے؟ اکیلے میں سمجھ جائے گا؟ مجمع میں بکھر تو نہیں جائے گا؟ مزاج کیسا ہے؟ تو مدعو کو اور اس کے مزاج کو پہچاننا ہے، یہ ''مزاج شناسی'' ہے؛ یہ سب حکمت کے افراد ہیں، اس کے مجموعے کو حکمت کہتے ہیں، حکمتِ درس، اور حکمتِ تربیت بھی یہی ہے، ان سب باتوں کو ملحوظ رکھنے کا نام حکمتِ عملی ہے، کہ کیسے کریں تو دعوت قبول اور موثر ہو جائے گی، اس پر غور کرنا چاہیئے۔

(۳۷) منکرات پر نکیر کا ایک طریقہ

ارشاد فرمایا:۔ منکرات پر نکیر عمومی طور پر کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور مسلسل کرتے رہنا چاہیے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں ایک شخص بدنگاہی کر کے آیا تھا، حضرت عثمانؓ کو اس کی ظلمت و نحوست اس کی آنکھوں میں نظر آئی، تو آپؓ نے اس شخص کو متعین کر کے نکیر نہیں فرمائی؛ بلکہ آپ نے فرمایا: مابال اقوام یزنون بالعیون یعنی ان لوگوں کا کیا حشر ہوگا جو آنکھوں سے زنا کرتے ہیں، ایک عام سی بات کہہ دی؛ لیکن یہ صاحب سمجھ گئے، بعد میں انہوں نے توبہ بھی کر لی، دعوت میں سامنے والے کی عزت کو ملحوظ رکھنا چاہیے؛ اس لیے کہ مومن کی آبرو اس کا حقِ پیدائشی ہے، بہر حال جن الفاظ سے جس عنوان سے دعوت دے رہے ہیں اس کا حکیمانہ ہونا بھی ضروری ہے، حضرت محی السنہ رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے اشرف الخطاب للارشاد الی الصواب (یعنی اچھے کاموں کی دعوت دینے کا مناسب طریقہ) داعی کو یہ کتاب پڑھنا چاہیے

افاداتِ اکابر

ارشادالسالکین

’’خانقاہِ سعیدیہ‘‘ میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹/ بجے تاشب ۹/ بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲/ بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہ استاذ ادارۂ ہذا و مجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے مشائخ سے استفادہ کرنا کیسا ہے؟

سوال (۳۹): اپنے شیخ کے علاوہ دوسرے سلاسل کے مشائخ کی مجالس میں شرکت کرنا کیسا ہے؟ راہ نمائی فرمائیں۔

جواب: ہمارے مشائخ چاروں سلسلوں میں بیعت اس لیے کراتے تھے تاکہ دوسرے سلسلے کے مشائخ کو کم بتانے اور نیچا دکھانے کے لیے تقابل وتفاضل کا مذموم عمل ختم ہوجائے۔ جیسے آدمی کا معالج اور طبیب تو ایک ہی ہوتا ہے، باقی عقیدت واحترام سب کا کرتے ہیں، اسی طرح شیخ تو ایک ہی ہوتا ہے، تربیت ایک ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے، باقی اہل حق علماء اور مشائخ سے بدگمانی نہیں کرنا چاہیے، مجالس میں بیٹھ کر بیانات سننے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، باقی اپنی تربیتِ باطنی کی تکمیل میں اپنے ہی شیخ سے رجوع کرنا چاہیئے، یہ ایک معقول بات ہے جس میں دورائیں نہیں ہوسکتیں، مشائخ اس کو ’’وحدت مطلب‘‘ کہتے ہیں۔

اپنے شیخ سے کن باتوں کی بابت استفسار کرنا چاہیئے؟

سوال (۴۰): شیخ سے کن چیزوں کی بابت معلوم کرنا چاہیے؟ راہ نمائی فرمائیں۔

جواب: ایک کتاب ہے ’’تبویب تربیت السالک‘‘، اگر عالم ہو تو اس کتاب سے استفادہ کیجئے، اس کتاب

میں سالکین کے خطوط ہیں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس پر تحقیقات ہیں، اگر عالم نہیں ہے یا اتنی استعداد نہیں ہے تو حضرت حکیم اختر صاحب رحمت اللہ علیہ کی کتاب ہے ''تربیت عاشقان خدا'' عام فہم خطوط اور عام فہم جوابات ہیں اس کے مطالعہ کا اہتمام کریں، اس سے یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ اپنے شیخ سے کن کن چیزوں کی بابت معلوم کرتے رہنا چاہیے۔البتہ یہ چالاکی نہ کریں کہ ان میں شیخ کو مرید کا جو حال پسند آیا وہی اپنا حال بتانے لگے، اس لئے کہ یہ صریح دھوکہ اور اپنے آپ کا نقصان ہے، ان کتابوں کا مطالعہ اس لئے کرے تاکہ اپنی کسی حالت کا جواب اس میں مل جائے تو اسی سے کام چلا کے دیکھ لے، کام بن گیا تو ٹھیک ورنہ اپنے شیخ سے رجوع کرے، دوسرے یہ معلوم ہو سکے کہ کس طرح حالات کی اطلاع کی جاتی ہے اور کن کن حالات کی اطلاع کرنی چاہیئے۔

اولاد کے بگاڑ کا وبال کیا والدین پر بھی آتا ہے

سوال (۴۱): اولاد اگر نیک نہ بنے تو ان کے والدین کا اخروی نقصان کب اور کیا ہے؟ رہنمائی فرمائیں۔

جواب: والدین اپنی اولاد کی تربیت کرنے کے ذمہ دار ہیں، اگر تربیت کر کے ان کو نیک نہ بنایا، اور وہ بدعملی کے مرتکب ہو رہے ہوں تو اس کی سزا ان کو بھی ملے گی اور ماں باپ کو بھی، اور اگر والدین نے بھرپور کوشش کی لیکن پھر بھی وہ بگڑ گئے تو اب ماں باپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔

گناہ خود کی فکر سے چھوٹیں گے

سوال (۴۲): بندہ روزمرہ کے ذکر واذکار تو کر لیتا ہے؛ لیکن گناہوں سے بچنا مشکل ہو رہا ہے؛ جیسے فلم بینی کی بھی عادت ہے، بندہ اس عادت سے بہت پریشان ہے، گزارش ہے کہ اس کا کوئی حل بتائیں۔

جواب: اس عادت سے بندہ اگر پریشان ہے تو چھوڑ دینا کیا مشکل ہے؛ جب کہ نقصان بھی ہو رہا ہے، دیکھو! ذکر واذکار گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کرنے کے واسطے ہیں، اگر ذکر واذکار ہو رہے ہیں اور گناہوں سے بچنا نہ ہو رہا ہے تو پھر کیا فائدہ؟ ذکر واذکار کی طاقت کو لے کر کیا کریں گے؟ اس لیے گناہ چھوڑنے کی خود فکر کرنا چاہیے، یہ کسی وظیفے سے نہیں چھوٹے گا، یہ ایک عمل ہے عمل عمل کرنے سے ہوگا، چھوڑنے سے چھوٹے گا، وظیفے سے ایمان میں قوت آتی ہے، یہ قوت نفس کے مقابلے میں کام آتی ہے، اس لیے اس قوت کا استعمال کریں، اور طے کریں کہ گناہ نہیں کرنا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

نقوشِ رفتگاں

ویراں ہے مئے کدہ، خم وساغر اداس ہیں

سانحہ ارتحال: شیخ الحدیث حضرت مولانا عاقل مظاہری علیہ الرحمہ

از: مولانا مجیب الرحمٰن تمیم قاسمی*

یوں تو دنیا سے ہر روز ایک بڑی تعداد راہی راہِ اجل ہوتی ہے اور ہو رہی ہے، جس پر اہلِ تعلق دو تین روز اظہارِ افسوس کر کے خاموش ہو جاتے ہیں، پھر کچھ دن بعد بھول بھی جاتے ہیں لیکن بعض شخصیتیں ایسی ہوتی ہیں جو جہالت کی تاریکیوں میں "قندیلِ رہبانی" کی طرح فروزاں رہتی ہیں۔ ان چراغوں سے ہر سال نئے چراغ جلتے ہیں اور ان کی ضو سے علم ومعرفت کی منزلیں طے ہوتی ہیں، دینی قافلے ان کی رہبری اور سرپرستی میں بعافیت جانبِ منزل رواں دواں رہتے ہیں، جن سے ہزاروں تشنگانِ علوم خم کے خم سیراب ہوتے ہیں اور ان کے نورانی وروحانی فیضان سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ ایسے اشخاص کے چلے جانے کو چاہ کر بھی نہیں بھلایا جا سکتا، خاص طور پر برصغیر کی وہ مسعود شخصیتیں جن کی نفوسِ قدسیہ سے ہندو پاک میں دبستانِ حدیث کی بہاریں قائم ہیں، وہ ہستیاں جو ہمارے اور ہمارے اصحابِ عزیمت اکابر کے درمیان حلقۂ اتصال کی حیثیت رکھتی ہیں، ان کا ہمیں چھوڑ جانا محض ایک فرد کی وفات نہیں بلکہ ایک کائنات کا نقصان اور ایک عہد کا خاتمہ ہے ؎

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

رحلت جاں گداز:

چند ساعات قبل اہلِ علم پر یہ خبر برقِ تپاں وآتش فشاں بن کر گری ہے۔ ہر شخص افسردہ، ہر قلب حزیں، ہر نفس رنجور اور ہر آنکھ اشکبار ہے۔۔۔ کیوں نہ ہو؟ گوناگوں خصوصیات کی حامل اور ملکوتی صفات کی مالک شخصیت، اکابرِ دیوبند کے روشن پرتو، فرزانگی ودانائی، علم ودانش، نجابت وشرافت کے عکسِ جمیل، محدثِ زمانہ، فقیہِ یگانہ، کہنہ مشق استاذ، پرخلوص مصلح، تجربہ کار منتظم، بالغ نظر مربی، شیخ الحدیث وصدر المدرسین مظاہر علوم سہارنپور، استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عاقل نور اللہ مرقدہ وقدس اللہ سرہ اپنے علوم کی بہتی سوتوں اور درسِ حدیث کے فرحت بخش ٹھنڈے چشموں سے ہزاروں تشنگانِ علومِ نبوت کو سیراب وفیضیاب کرنے کے بعد آج

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

اپنی جان جانِ آفرین کے حوالہ کر کے بہشتِ بریں کے راہی ہو چکے ہیں۔ **اناللہ وانا الیہ راجعون۔**

وہ علمِ حدیث کے ایک چہچہاتے بلبل تھے، جہاں جاتے اس چمن کی طرف اپنی نغمہ سرائی سے ایک دنیا کو متوجہ کر لیتے۔ قریباً پانچ دہائی مسندِ حدیث کو زینت بخشی اور اصلاح وارشاد کے اسٹیج پر چہکتے رہے، مظاہر علوم سہارنپور میں علم وعمل کی کیاریوں کو شاداب کرتے اور کاروانِ علم کو سیراب کرتے ہوئے مئے خانہ حدیث کے اس بادہ خوار نے حیاتِ ناسوتی کی آخری سانسیں لی ہیں ؎

ویراں ہے مئے کدہ، خم و ساغر اداس ہیں

علمی سفر اور دینی خدمات:

۱۳۵۹ھ میں سہارنپور کی علمی وروحانی فضاؤں میں حضرت علیہ الرحمہ نے آنکھ کھولی۔ ابتدا ہی سے علومِ دینیہ کی طرف فطری میلان تھا، چنانچہ مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہو کر علم وعرفان کی منازل طے کیں اور قرآن و سنت کے بحرِ ذخّار سے سیرابی حاصل کی۔ ۱۳۸۰ھ میں فراغت کے بعد اسی مادرِ علمی کو تدریس کا مرکز بنایا اور اپنی تمام تر توانائیاں علمی خدمت کے لیے وقف کر دیں۔ آپ کا عنفوانِ شباب شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمہ اللہ کے نورانی ماحول میں بسر ہوا۔ صبح وشام کی صحبتوں نے آپ کو علم وروحانیت کی دولت سے مالا مال کر دیا اور حضرت شیخ کی نظرِ کیمیا اثر نے آپ کے ذوقِ علم وعمل کو جلا بخشی۔ اسی گھر بار دربار سے آپ کو خلافت واجازت کا خلعت نصیب ہوا، اور یوں حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ کے علمی وروحانی سلسلے کے ایک روشن ستارے بن کر چمکے، حضرت کی شرافتِ نفسی اور سعادتِ نسبی کا اثر آپ میں بدرجہ اتم محسوس کیا جاتا تھا، آپ نے حضرت شیخ کے علمی وتصنیفی کاموں میں نہایت فعّال معاونت کی۔ الحل المفہم کا حاشیہ، الکوکب الدری کا مقدمہ، الفیض السمائی کا حاشیہ، اور ملفوظاتِ حضرت شیخ کی تدوین، آپ کی علمی وقلمی یادگاریں ہیں۔ تاہم، آپ کی فقید المثال تصنیف الدر المنضود، جو سنن ابی داؤد کی مفصل شرح ہے، اہلِ علم کے لیے ایک گراں قدر تحفہ اور طالبانِ حدیث کے لیے بیش بہا سرمایہ ہے، تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ تدریس وتربیت اور خانقاہی اصلاح کے میدان میں بھی آپ کی خدمات نہایت وقیع اور منفرد حیثیت رکھتی ہیں۔

فنِ تدریس میں نمایاں مقام

آپ کی حیاتِ علمی گویا ایک بہتا ہوا چشمہ تھی، جس سے ہزاروں تشنگانِ علوم نے سیرابی پائی، انتہائی عجیب اور پُر مغز دروس، صاف اور شستہ اندازِ تفہیم، علمی اور تحقیقی باتوں سے مزین اور حشو وزوائد سے بالکل پاک ــــــ، بالخصوص حدیث کی استنادی بحثوں میں طرزِ ادا اتنا البیلا اور علم ومعلومات اتنی وافر کہ اس سے تبحر اور تفقہ نہ صرف

جھلکتا بلکہ چھلکتا تھا۔ معلومات کا ایسا آبشار بہتا اور فنِ حدیث کی باریکیوں اور لطائف ونکات سے ایسے پردے اٹھتے چلے جاتے کہ واقعی محسوس ہوتا کہ علمِ حدیث کا گہرا درس دیا جارہا ہے۔ ایسے جامع علوم اور عمیق فہم وادراک کی حامل ستودہ صفات ہستیاں اب کہاں پیدا ہوں گی ؎

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

علمی کمالات:

فنِ حدیث میں یگانہ شان، اصولِ حدیث کی کامل استعداد، جرح وتعدیل پر مہارتِ تامّہ، علومِ عالیہ و آلیہ کے ماہر شناور، علمی وتحقیقی رسالوں کی تصنیف، زبان وقلم پر کامل دسترس، بلا کی قوتِ حافظہ، علوم اور کتب کا استحضار تام، اندازِ درس کی انفرادیت، اتباع سنت اور عظمتِ سلف کا خاص لحاظ، علمی وتحقیقی گفت گو، دلائل سے آراستہ بحث، محنت، قدردانیِ اوقات، انہماکِ عمل، ذہانت وقوتِ حافظہ، سرعتِ فہم، کمال کی استنتاجی صلاحیت، اصولِ حدیث کی تہہ تک زودرسی، تقریر وتحریر میں ترتیب وانضباط اور تفصیل وتسہیل کا اہتمام جیسی صفات ان کی شخصیت کے عناصر تھے۔ وہ زود رس، زود حس، زودنویس اور زود فکر تھے۔ تردد، اضطراب، اور شش وپنج سے ان کی بیاضِ حیات بالکل خالی تھی۔ ان کا علم وفضل، افادہ خواص، تحریر وتقریر، درس وتصنیف ۔۔لیکن اس وفورِ علم پر نہایت سادگی۔۔۔آہ! ؎

دید کی پیاسی نگاہیں تجھے پائے گی کہاں

ظاہری وباطنی اوصاف کا حسین امتزاج:

نقاشِ قدرت نے آپ کو ظاہری حسن وجمال کے ساتھ ساتھ باطنی فضل وکمال میں وافر حصہ عطا کیا۔ اپنی ذات میں مختلف صفات واخلاق کی انجمن تھے۔ بدن چھریرا، نہایت نرم ونازک، بدر کی طرح چمکتا چہرا، آواز پیاری اور مردانہ، بول چال میں صاف گو اور نصیحت میں شفاف۔ صورت میں علمی رعب، اداؤں میں ربودگی، گفتگو میں علم وتحقیق، مزاج انتہائی نفیس، نشست وبرخاست میں سادگی، تنہائی پسند اور علم دوست، مزاج کے معتدل، اپنا کام آپ خود کیا کرتے تھے۔ رات دن مطالعہ میں مصروف رہتے، تحقیق کے عادی تھے، تفردات سے عام طور پر دور، قدامت پسند اور دلائل پسند، اسلاف کی راہ کے پختہ راہی۔ دن علمِ حدیث کے سدا بہار گلشن کی سیر میں گزرتے اور راتیں عبادت اور آہِ سحر گاہی سے معمور رہتی تھیں۔ حضرت کو دیکھ کر فرحت وانبساط کے ساتھ یہ احساس ہوتا کہ اسلاف کی یادگاریں ابھی زندہ ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۶ پر)

فکر ونظر

فکرِ غامدی بہ مقابلہ فکرِ اسلامی

غور وفکر کے چند اہم پہلو

مولانا محمد انصار اللہ قاسمی*

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں، مسلمان اِس بات کو ''عقیدۂ ختم نبوت'' کے عنوان سے مانتے اور تسلیم کرتے ہیں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا صرف یہ معنیٰ نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت ورسالت کا سلسلہ مکمل ہوگیا ہے، بل کہ یہ بات بھی اس میں داخل ہے کہ دین وشریعت کی تعبیر وتشریح میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات عالی مرتبت آخری مرجع اور فائنل اتھاریٹی ہے، یہ تعبیر وتشریح کتاب وسنت کی رہنمائی ہے جو صحابہ کرامؓ کے بیان کردہ معانی ومفاہیم کے ذریعہ ہم تک پہونچی ہے۔

اس وقت مسلمانوں میں فکری الحاد وذہنی ارتداد کی ایک اہم وجہ دین وشریعت کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے سوشیل میڈیا کا غیر محتاط استعمال ہے، کیوں کہ سوشیل میڈیا پر بعض شخصیات بزعم خود دین وشریعت کی ایسی تعبیر وتشریح پیش کررہے ہیں جو بادی النظر میں دین وشریعت کی متواتر ومتوارث تعبیر وتشریح کے خلاف ہی نہیں بل کہ متصادم معلوم ہوتی ہے، سوشیل میڈیا پر جن شخصیات کو بہت زیادہ سنا جاتا ہے، ان میں ایک نام جناب جاوید احمد غامدی صاحب کا ہے، موصوف کا اندازِ گفتگو چوں کہ سنجیدہ اور لب ولہجہ نرم اور عام فہم ہوتا ہے، اس لئے انھیں اچھی پذیرائی بھی حاصل ہے۔

جناب جاوید احمد غامدی صاحب نے اپنے علم وفہم کے مطابق دین وشریعت کے بارے میں جو کچھ سمجھا ہے، اس کی وضاحت انھوں نے اپنے خاص افکار ونظریات کی شکل میں اپنی کتاب ''میزان'' میں کی ہے، اس کتاب کے دیباچہ میں انھوں نے لکھا ہے:

''اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ کم وبیش ربع صدی کے مطالعہ وتحقیق سے میں نے اس دین کو جو کچھ سمجھا ہے وہ اپنی اس کتاب میں بیان کردیا ہے.....'' (میزان، طبع پانزدہم، جون ۲۰۲۳ء)

* آرگنائزر مجلس تحفظ ختم نبوت ٹرسٹ حیدرآباد

دین کو سمجھنے کے حوالہ سے غامدی صاحب نے کتاب ''میزان'' میں اپنے جو کچھ افکار و خیالات پیش کیئے، اس کو دین و شریعت کی ''میزان'' میں رکھنا ضروری ہے، تاکہ اس کا تجزیہ اور موازنہ کیا جا سکے غامدی افکار و خیالات شریعتِ محمدی سے کہاں تک اور کتنے ہم آہنگ ہیں؟ اس تجزیہ اور موازنہ کی تفصیلی وضاحت سے پہلے دو تین اصولی اور بنیادی باتوں کو ذہن میں رکھنا ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

دین کی متواتر و متوارث تعبیر و تشریح کی اہمیت:

اگر دین و شریعت کے عنوان سے کوئی بات بیان کی جائے، تو اس کو قبول کرنے اور تسلیم کرنے کی بنیاد کیا ہوگی؟ اور کیا ہونا چاہئے؟ کیا محض اس وجہ سے کہ بولنے کا انداز بہت اچھا اور سلجھا ہوا ہے، اس لئے وہ بات مان لی جائے؟ یا وہ بات اس لئے قبول کر لی جائے کہ وہ ہمارے اپنے گمان و خیال کے مطابق بہت ہی لاجیکل اور سائنٹفک معلوم ہوتی ہے؟ یا پھر یہ دیکھا جائے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک امت میں روایت و درایت کا جو عظیم علمی و فکری ورثہ اور سرمایہ ہے، کیا اُس میں اس بات کا کہیں حوالہ یا کچھ رہنمائی ملتی ہے؟ ظاہر سی بات ہے کہ یہ تیسری چیز ہی ہمارے لئے دین و شریعت کے عنوان سے کسی بھی بات کو قبول کرنے کا ایک معقول معیار ہے۔ اس لئے کہ دین و شریعت کی اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ متواتر تعبیر و تشریح سے ہم تک پہونچی ہے، متواتر تعبیر و تشریح کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عقیدہ یا عمل جس کو ہم مانتے ہیں اُس کا سلسلہ سند ہم سے شروع ہو کر عہدِ صحابہؓ اور عہد نبوی تک جا پہونچتا ہے، اسلامی نظامِ زندگی کی کوئی بھی بات عقائد و ایمانیات، عبادات و معاملات، اخلاقیات، معاشرت اور معیشت کسی بھی شعبہ زندگی سے اُس بات کا تعلق ہو، اگر وہ بات متواتر سند اور متوارث طریقہ پر نسل در نسل ہمیں ملی ہے اور جمہور امت کا تعامل بھی اس پر ہو، تو ہم اُس بات کو قبول اور تسلیم کرنے کے پابند ہیں، مثلاً اسلام میں ''ختم نبوت'' کا تصور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحین کے دور سے لے کر آج تک اس کی جو متواتر تعبیر و تشریح متوارث طریقہ پر ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک ہمیں معلوم ہوئی، وہ یہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخری نبی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد انبیاء کرام کی آمد کے سلسلہ کو مکمل کر دیا گیا، اب اس متواتر و متوارث تعبیر و تشریح سے ہٹ کر ختم نبوت کے تصور کے سلسلہ میں اگر کوئی ایسی بات کہی جائے جس سے دعویٰ نبوت کو جائز ٹھہرایا جائے یا صحیح مانا جائے، تو یہ چیز ناقابل قبول ہے، اسی طرح اسلام کا ایک اہم ترین رکن نماز ہے، اس کا ایک خاص عملی تصور امت میں رائج ہے، اس تصور کی بنیاد بھی دین کی متواتر اور متوارث تعبیر و تشریح ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''صلوا کما رأیتمونی أصلی'' (صحیح بخاری: ۶۰۰۸) تم اُس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، صحابہ کرامؓ

نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیکھا، تابعینؒ نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور تبع تابعین نے تابعین کو دیکھا، اس طرح تسلسل کے ساتھ نماز کا عملی طریقہ امت میں چل پڑا، اب اگر کوئی فرد یا گروہ یہ کہنے لگے کہ عربی زبان میں ''صلوٰۃ'' کا معنی دعا کے ہیں، اس لئے دعا کی کیفیت اپنے اندر پیدا کیجیے، یا جب موقع ملے دعا کرنے کی ہیئت بنالیجئے تو آپ کی نماز ادا ہوجائے گی، یا پھر یہ کہ نماز کی ترتیب میں بھی الٹ پھیر کردے، پہلے سجدہ، پھر رکوع، پھر قیام پھر سلام وغیرہ، تو یہ سب باتیں مردود اور نا قابل قبول ہیں، کیوں کہ یہ دین وشریعت کی متواتر اور متوارث تعبیر وتشریح کے خلاف ہے۔

دین میں سلسلہ سند کی اہمیت:

دین وشریعت کی متواتر ومتوارث تعبیر وتشریح دراصل سند کے تسلسل کا دوسرا نام ہے، یعنی دین وشریعت کی کوئی بات بغیر سند کے قبول نہیں کی جاسکتی، سند کا اہتمام والتزام مذاہب عالم میں صرف دین اسلام کی خصوصیت ہے، اس خصوصیت کی وجہ سے اسلامی عقائد ونظریات اور تعلیمات ملحدین اور اہل بدعت کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے محفوظ ہیں، مشہور محدث ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیساپوری (وفات: ۴۰۵ھ) اپنی کتاب ''معرفۃ علوم الحدیث'' میں حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا قول ''الاسناد من الدين لو لا الاسناد لقال من شاء ماشاء'' (سند بیان کرنا دین کا حصہ ہے، اگر یہ نہ ہوتا تو آدمی دین کے نام پر جو چاہے بول دیتا) نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''اگر سند نہ ہوتی اور سند کے سلسلہ میں محدثین کا مذکورہ سخت طرز عمل نہ ہوتا تو اسلام کی علامت مٹ چکی ہوتی، جس کے نتیجہ میں ملحدین اور اہل بدعت جھوٹی حدیثیں گھڑ کر الٹی سندیں پیش کر کے دین میں گھس جاتے، کیوں کہ احادیث کی اسناد سے بے نیاز کردیا جائے تو ان کی بنیاد ختم ہوکر ناقص رہ جائیں گی''۔ (حاکم، ص:۶ بحوالہ مضمون علم اسناد کا تعارف اور اس کی حقیقت، ماہنامہ بینات کراچی، بابت ڈسمبر ۲۰۲۰ء)

فتنوں کے دور میں دین کے عنوان سے پیش کی جانے والی باتوں کی وجہ سے سند کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، چنانچہ امام محمد ابن سیرینؒ (وفات: ۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:

''فتنوں کے نمودار ہونے سے پہلے سند کا مطالبہ نہیں کیا جاتا تھا، جب فتنہ واقع ہوگیا تو ائمہ حدیث راویوں سے کہنے لگے، اپنے اساتذہ کا نام بتاؤ، چھان بین کے بعد اہل سنت کی رواۃ کی روایت قبول کرتے اور بدعتیوں کی رد کردیتے تھے''۔ (مقدمہ صحیح مسلم ۱/۱۵، بحوالہ سابق)

ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت ابن عباسؓ کے سامنے ایک شخص نے حدیث بیان کی، آپؓ نے اُس

کی طرف توجہ نہیں فرمائی، اس شخص کے وجہ پوچھنے پر آپؓ نے بتایا:

''ایک دور تھا جب ہم کسی کی زبان سے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سنتے تو ہماری نگاہیں اس کی جانب دوڑ پڑتی تھیں اور ہم ہمہ تن گوش ہوجاتے تھے، اب جب کہ حالت بدل گئی، لوگوں میں اچھے بُرے کی تمیز نہیں رہی، تو ہم صرف ان ہی باتوں کو قبول کریں گے جو ہم پہلے جانتے تھے''۔

(مقدمہ صحیح مسلم ۱/۱۳، بحوالہ سابق)

واضح رہے کہ احادیث کو قبول اور رد کرنے کے سلسلہ میں محدثین نے سند کی جو بنیاد ڈالی، اس کی وجہ سے مسلمانوں میں دین وشریعت کے عنوان سے کسی بھی بات کو قبول کرنے میں حد درجہ احتیاط کا مزاج پیدا ہوگیا، چاہے اس بات کا تعلق علم حدیث کے علاوہ علم تفسیر، علم فقہ اور علم عقائد وکلام سے کیوں نہ ہو، مسلمان یہ دیکھنے لگے جو بات کہی گئی، اس کا ثبوت اور حوالہ ائمہ تفسیر، ائمہ حدیث، ائمہ مجتہدین اور متکلمین کے یہاں ملتا ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو قبول کی جائے گی ورنہ مسترد کردی جائے گی، اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث سے رہنمائی ملتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

یکون فی اٰخر الزمان دجّالون کذابون یأتونکم من الاحادیث مالم تسمعوا أنتم ولا أباء کم، فایاکم وایاھم لا یضلونکم ولا یفتنونکم

(مقدمہ صحیح مسلم، حدیث نمبر: 7، عن أبی ھریرۃؓ)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

آخری زمانہ میں سچ کے ساتھ جھوٹ کی ملمع سازی کرکے بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے پیدا ہوں گے، وہ تمہارے سامنے ایسی باتیں پیش کریں گے جس کو نہ تم نے اور نہ تمہارے آباء واجداد نے کبھی سنا ہوگا، تم اُن سے اور وہ تم سے دور رہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں سیدھی راہ سے گمراہ کردیں (یا کم از کم تمہیں پہلے سے معلوم شدہ اسلامی عقائد وتعلیمات سے متعلق شک وشبہ میں ڈال کر) تمہیں آزمائش میں نہ ڈال دیں۔

بہرحال جاوید غامدی صاحب کے بشمول کوئی بھی دانشور ہو اگر وہ دین وشریعت کی بات بتارہے ہیں تو اُس کے بارے میں دیکھا جائے گا وہ دین کی متواتر اور متوارث تعبیر وتشریح کے خلاف اور متصادم تو نہیں ہے اور وہ سند کے لحاظ سے کتنی معتبر اور مضبوط ہے۔

قرونِ ثلاثہ کی عظمت وفضیلت:

دین وشریعت کی متواتر اور متوارث تعبیر وتشریح کی اہمیت اس لئے بھی ہے کہ اس کا تعلق صحابہ کرامؓ اور اسلام کے دوراول سے ہے، جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے سے جتنا زیادہ قریب ہوگی وہ اُتنا ہی زیادہ معتبر ومستند مانی جائے گی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خیر الناس قرنی، ثم الذین یلونھم، ثم الذین یلونھم

بہترین لوگ میرے زمانہ کے ہیں، پھر اُن کے بعد جو ہوں گے، پھر اُن کے بعد جو ہوں گے، یعنی بہترین زمانہ صحابہؓ کا، پھر تابعین اور تبع تابعین کا زمانہ ہے۔(صحیح مسلم، حدیث نمبر:2533)

اس لئے ہمارے لئے بہتری بل کہ ہمارے ایمان کی بقاء اور سلامتی اسی میں ہے کہ دین وشریعت کی پیروی میں ہم صحابہ کرامؓ کو اپنا اسوہ بنائیں، کیوں کہ ان برگزیدہ ہستیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع و پیروی کا عملی نمونہ ہمارے سامنے پیش کیا ہے اور وہ یقینی طور پر اپنے بعد والوں کے مقابلہ میں اخلاقی برائیوں اور کمزوریوں سے بہت زیادہ محفوظ تھے،صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے،تو اُس کو چاہئے کہ وہ گذرے ہوئے لوگوں کی پیروی کرے، اس لئے کہ زندہ لوگوں سے متعلق فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ رہتا ہے اور گذرے ہوئے لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ ہیں، وہ پوری امت میں سب سے افضل ترین لوگ ہیں، اُن کے دل سب سے زیادہ پاکیزہ ہیں، ان کا علم سب سے زیادہ گہرا ہے، وہ سب سے زیادہ کم تکلف کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنے نبی کی رفاقت اور اپنے دین کو قائم کرنے کے لئے منتخب فرمایا: تم اُن کی عظمت وفضیلت کو سمجھو، اُن کے نقشِ قدم کی پیروی کرو اور جہاں تک ہوسکے اُن کے اخلاق و کردار کو اپنانے کی کوشش کرو، اس لئے کہ صحابہؓ ہدایت کے سیدھے راستے پر ہیں.....''(جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبدالبر، حدیث نمبر:1810)

جسمانی بیماریوں کے علاج کے لئے تو ماہر ڈاکٹرس اپنے علم ومطالعہ اور تجربہ کی روشنی میں نئی نئی دوائیں تجویز کرتے ہیں، جدید معلومات اور تازہ تحقیقات کی روشنی میں ہومیو پیتھک، آیورویدک، ایلوپیتھی اور یونانی وغیرہ مختلف علاجوں کے لئے نئی دوائیں اور نسخے تیار کئے جاتے ہیں،لیکن روحانی بیماریوں کے علاج کے سلسلہ میں صرف ایک ہی نسخہ متعین ہے اور وہ ہے کتاب وسنت کی رہنمائی، یہ رہنمائی جتنی زیادہ اسلام کے دورِاول سے قریب ہوگی اتنی ہی زیادہ معتبر اور مستند مانی جائے گی، یہاں عقائد واعمال کی اصلاح کے لئے جدید تحقیقات کے

نام نئے نئے تجربات کرنے کی اجازت وگنجائش نہیں ہے، اصلاح کے طریقہ کار کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ تو کیا جاسکتا ہے، لیکن یہ ہم آہنگی دین وشریعت کے بنیادی اصولوں سے کھلواڑ کرکے اور انھیں مسمار کرکے نہیں کی جاسکتی۔مثلاً عقیدۂ توحید میں بگاڑ کی ایسی اصلاح کی جائے کہ اس میں عیسائیوں کے عقیدۂ تثلیث کا مفہوم پیدا ہوجائے، یا عقیدۂ حلول وتجسّم کی گنجائش نکل آئے، یا پھر حدیث کی تعریف اور اُس کے مستند ومعتبر ہونے میں شق در شق ایسی باتیں بیان کی جائے کہ انکارِ حدیث کی راہ نکل آئے، اس لئے امام مالکؒ کا یہ مشہور قول ہے: لا يصلح اٰخر هذه الامة الا بما صلح به اولها ''اس امت کے آخری طبقہ کے عقائد واعمال کی اصلاح اُسی طریقہ پر ہوگی جس طریقہ پر امت کے پہلے طبقہ کی اصلاح ہوئی۔(شرح صحیح ابن خزیمہ،ص:۲۲)

دین وشریعت کی رہنمائی کے سلسلہ میں اسلام کے اولین تین دور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی طرف رجوع کرنے پر اگرچہ ''قدامت پرستی'' کا طعنہ دیا جاتا ہے، اِس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ دین وشریعت کی پابندی ''قدامت پسندی'' میں ہے، جمہور امت یعنی دین پر عمل پیرا عام مسلمانوں کا مزاج یہ ہے کہ وہ دینی امور میں ''جدت'' کے مقابلہ میں ''روایت کو ترجیح دیتے ہیں، اس لئے دین وشریعت کے معاملہ میں اگر اہلِ ایمان کے عام مزاج اور منہج سے ہٹ کر کوئی اور راہ اختیار کی جائے تو وہ جہنم کی طرف لے جانے والی ہوگی، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ.....

اور جو اپنے آپ پر ہدایت واضح ہوجانے کے بعد بھی رسول کی مخالفت کرے اور مسلمانوں کے راستہ کے بجائے دوسرے راستہ کی پیروی کرے تو ہم اس کو جو کر رہا ہے، کرنے دیں گے اور اس کو دوزخ میں ڈال دیں گے....(النساء:۱۱۵)

پس معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے متفقہ عقیدہ اور طریقہ سے ہٹ کر کوئی نیا عقیدہ گھڑنا یا کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنا ازروئے قرآن مجید ناقابل قبول ہے، دین وشریعت کے ماہرین نے اس آیت سے شریعت کے ایک اہم ماٰخذ ''اجماع امت'' کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے، اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک واضح حدیث بھی موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ان الله لا يجمع امتي على ضلالة.... اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائیں گے'' (سنن ترمذی، حدیث نمبر:2167) غرض کہ جاوید احمد غامدی صاحب کے بشمول جو بھی دین و شریعت کی کوئی بات بتائے وہ علماء امت کے متفقہ موقف کے خلاف نہیں ہونا چاہیے۔

افکارِ زمانہ سے مرعوبیت:

عام طور پر جو لوگ دین وشریعت کے معاملہ میں کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے ہٹ کر اپنا کوئی نیا خیال اور نئی فکر پیش کرتے ہیں، اس کے پیچھے ایک نفسیاتی کمزوری بھی ہوتی ہے اور وہ ہے زمانہ کے افکار و نظریات سے مرعوبیت، یا پھر برسرِ اقتدار طبقہ کی ذہنی غلامی ہے، امام غزالیؒ (وفات: 505ھ) کے دور میں یونانی فلسفہ کا غلبہ تھا، اس دور میں یونانی فکر وفلسفہ سے مرعوب بل کہ مغلوب مفکرین اور دانشور حضرات اسلامی عقائد وتعلیمات کی ایسی تشریح کرتے تھے کہ وہ یونانی فلسفہ کا چربہ معلوم ہوتی تھی، اس طرح کی تشریحات کے رد میں امام غزالیؒ اور ان جیسے جید علماء نے نمایاں خدمات انجام دی اور اسلامی افکار ونظریات پر سے یونانی فلسفہ کے گرد وغبار کو صاف کیا، اس سلسلہ میں امام غزالیؒ کی کتابیں ''تهافة الفلاسفة'' اور ''التفرقة بين الاسلام والزندقة'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں، موجودہ دور چوں کہ مغربی افکار ونظریات کے غلبہ کا ہے، اس لئے بعض دانشوران اسلامی عقائد ونظریات کی ایسی تعبیر وتشریح کرتے ہیں جو واضح طور پر مغرب سے مرعوبیت کی دلیل ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ ان کا مقصد اور جذبہ یہ ہو کہ تہذیبی تصادم اور نظریاتی جنگ کی شدت کو ختم کیا جائے، بے شک پُرامن بقاء باہمی کا اصول ایک اچھی چیز ہے، اسلام بھی اس کی تعلیم دیتا ہے، اسلام کی پہلی ریاست مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بلاتفریق دین مذہب تمام اہل مدینہ کے لئے تیار کردہ معاہدہ ''میثاق مدینہ'' اس کی واضح مثال ہے، اس کے علاوہ خلفاء راشدین اور دیگر مسلم حکمرانوں کے دور میں اس کی روشن مثالیں موجود ہیں۔

تہذیبی تصادم اور نظریاتی جنگ کے دوران مکالمہ بین المذاہب (InterFaith dialogue) اسلامی تعلیمات کو اس انداز سے پیش کیا جائے کہ وہ ''موم کی ناک'' بن جائے، سیکولرازم، سوشل ازم، کمیونزم، نیشنل ازم اور ہومیونزم وغیرہ ہر نظریہ کا پیروکار اور سہولت کار اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق اسلامی عقائد ونظریات کو موم کی طرح ڈھالنے لگے، اس سے تو اسلام کی اصلیت اور حقیقت ہی ختم ہوکر رہ جائے گی، چائے میں شکر میں ملانے کا مطلب یہ نہیں کہ اُس کی اصل روح اور ماہیت ختم کر کے اُس کو شربت بنا دیا جائے۔

غامدی صاحب نے قتل مرتد کے قانون، پردہ وحجاب اور اسلام کے سیاسی نظام کے حوالہ سے اپنے فکر ونظر کا جو زاویہ پیش کیا ہے، وہ دراصل مغربی مفکرین کی صدائے بازگشت ہے، یہ کہنے اور سمجھنے میں کوئی تکلف اور ہچکچاہٹ نہیں کہ انھوں نے بعض اسلامی افکار ونظریات کی تعبیر وتشریح میں مغربی فکر وفلسفہ کو ''قبلہ نما'' کے طور پر قبول کیا ہے، پھر بزعم خود اسلام کا ماڈرنائزیشن (جدید کاری) کرنے ۔۔۔۔ (بقیہ صفحہ ۱۳ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

مروجہ قرآن خوانی

سوال مروجہ قرآنی خوانی کا کیا حکم ہے؟

جواب: مروجہ قرآن خوانی محض ایک رسم بن چکی ہے، اس میں تلاوت قرآن پر اجرت لینا دینا؛ خواہ اجرت طے کی جائے یا مشہور ومعروف ہونے کی وجہ سے دل میں مخفی رکھی جائے؛ خواہ روپئے کی شکل میں ہو یا شیرینی کی شکل میں، کپڑا، غلہ، کھانا وغیرہ کی شکل میں ہو بہر صورت مکروہ تحریمی ہے۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/۹۰)

انجکشن لگانے سے وضو کا حکم

سوال: کیا انجکشن لگانے سے وضو ٹوٹ جائے گا؟

جواب: انجکشن لگانے سے وضو نہیں ٹوٹے گا، مگر یہ کہ اس کی وجہ سے خون نکل کر ایسی جگہ تک بہہ جائے جس کا وضو یا غسل میں دھونا واجب ہے، تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ (محقق ومدلل جدید مسائل، ۱/۱۰۸)

حضرت مہدی کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کا استعمال

سوال: کیا حضرت مہدی کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کا استعمال کرنا درست ہے؟

جواب: حضرت مہدی کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کا نہ استعمال کرے، اس میں روافض کے ساتھ تشبہ پایا جاتا ہے، اس لئے "رضی اللہ عنہ" استعمال کرنا چاہیے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۱/۳۰۷)

مسجد میں گمشدہ چیز کا اعلان

سوال: گمشدہ چیز کا اعلان مسجد میں کرنا کیسا ہے؟

جواب: گمشدہ چیز کا اعلان مسجد میں کرنا جائز نہیں ہے۔ (فتاویٰ دار العلوم زکریا، ۱/۷۸۲)

---

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

عقد نکاح کے وقت کھجور لٹانا

سوال: عقد نکاح کے وقت کھجور لٹانا کیا سنت ہے؟

جواب: عقد نکاح کے وقت کھجور لٹانے کی روایات، انتہائی ضعیف ہیں؛ البتہ اگر کوئی شخص خوشی کے موقع پر مسجد کے احترام کا لحاظ رکھتے ہوئے، جب کہ وہاں کے لوگ بھی اس سے مانوس ہوں، کھجور لٹائے تو جائز ہے، لیکن اسے سنت نہ سمجھے، مگر لوگ اس کو سنت سمجھتے ہیں، اور مسجد کا احترام بھی نہیں کرتے، لہذا اجتناب بہتر ہے۔

(فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ۱/ ۵۵۷)

مسجد و مدرسہ کے متولی کی مطلوبہ صفات

سوال: مسجد و مدرسہ کا متولی کیسے ہونا چاہئے؟

جواب: متولی، عالم باعمل ہونا چاہیے، اگر ایسا میسر نہ آسکے تو صوم وصلوٰۃ کا پابند، امانت دار، مسائلِ وقف کو جاننے والا، خوش اخلاق، رحم دل، منصف مزاج، علم دوست، اور اہل علم کی تعظیم کرنے والا، جس میں یہ صفات زیادہ ہوں اسی کو متولی بنانا چاہئے۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ۱/ ۸۰۰)

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو "غوث اعظم" کہنا

سوال: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کو "غوث اعظم" کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: "غوث" کے لغوی معنی مدد کے ہیں؛ لیکن یہاں لغوی معنی مراد نہیں ہے؛ بلکہ صوفیاء کے یہاں ایک خاص منصب اور عہدہ ہے، لیکن عام لوگ، صوفیاء کی خاص اصطلاحات کو نہ جانتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، بلکہ وہ غائبانہ مدد طلب کرتے ہیں، اور اکثر جاہل لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ بہ وقتِ مصیبت حاضر ہوتے ہیں اور مدد طلب کرتے ہیں، اور یہ شرکیہ عقیدہ ہے، اسی لئے حضرت کو "غوثِ اعظم" نہیں کہنا چاہیے۔

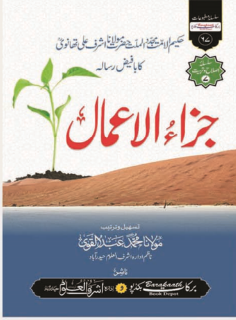
(فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ۸/ ۲۹۷)

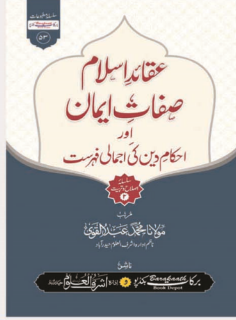
کافر کو "جزاک اللہ خیرا" کہنا

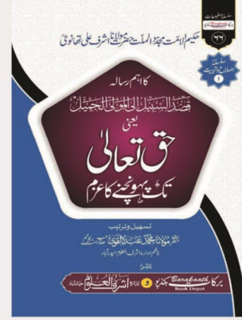
سوال: کیا کافر کو "جزاک اللہ خیرا" کہنا یا اس کی کسی اچھی چیز کو دیکھ کر "ماشاءاللہ" کہنا درست ہے یا نہیں؟

جواب: جزاک اللہ خیرا وغیرہ الفاظ کہنے کا دارومدار دراصل نیت پر ہے، اگر یہ نیت کرے کہ اللہ اس کو ہدایت نصیب کرے، اور خیر سے ہدایت مراد لے تو اس کی گنجائش ہے، نیز ماشاءاللہ، تعجب کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو کافر کی کوئی اچھی چیز دیکھ کر ماشاءاللہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ (فتاویٰ دارالعلوم زکریا، ۸/ ۳۰۸)

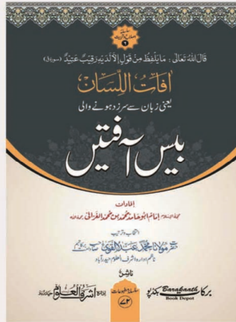
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd May-25, Date of Posting 5th May-25

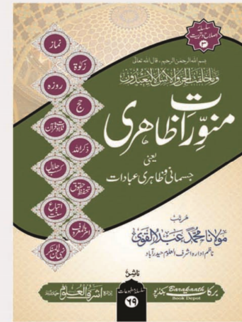


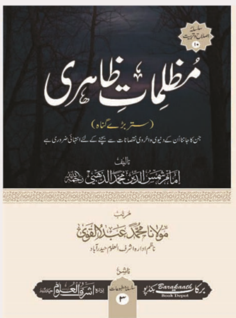


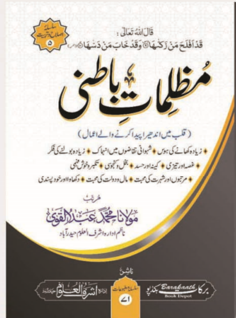


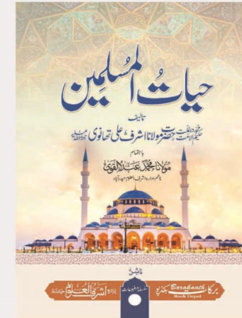












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59